تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ ایس اُردو

سفر نامہ سیر ایران کی
متنی تدوین و تقدیم مع حواشی و تعلیقات

محقق
ماہ جبین
148-FLL/MSURDU/F14

نگران
ڈاکٹر نجیبہ عارف
ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ اُردو
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

9 Accession No. [illegible]

MS
915.0955
مہس

اردو ادب - سفرنامہ
〃 - 〃 - ایران

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Mah Jabeen**
Title of the Thesis: " سفرنامہ ” سیر ایران“ کی متنی تدوین وتقدیم مع حواشی وتعلیقات "

Registration No: 148-FLL/MSURDU/F14

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Prof. Dr. Munawar Iqbal Ahmad
Dean Faculty of Language &
Literature IIUI

Chairperson Department of Urdu:

Dr. Najeeba Arif
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Shazia Sadaf

Dr.Shazia Sadaf
Margala College, F/7-4, Islamabad

Internal Examiner:

Dr. Sadia Tahir
Assistant Professor, Department of Urdu Female
IIUI

Supervisor:

Dr. Najeeba Arif
Chairperson Department Of Urdu Female IUII

الجامعة الإسلامية العالمية
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
شعبہ اُردو (خواتین)

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے ماہ جبین رجسٹریشن نمبر 148-FLL/MSURDU/F14 نے ایم۔ ایس اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے مقالہ بعنوان "سفر نامہ سیر ایران کی متنی تدوین و تقدیم مع حواشی و تعلیقات" کے عنوان سے تحقیقی مقالہ رقم کیا ہے۔ میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران:

ڈاکٹر نجیبہ عارف

ایسوسی ایٹ پروفیسر

اظہارِ تشکر

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس تحقیقی کام کو پورا کرنے کی مجھے ہمت اور توفیق عنایت کی۔ اس ذاتِ پاک کے شکریہ کے ساتھ میں اپنے رہنماؤں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں کہ جن کی مدد کے بغیر اس کام کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ سب سے پہلے نگران مقالہ ڈاکٹر نجیبہ عارف کی احسان مند ہوں کہ جن کی قدم قدم پر رہنمائی سے موضوع کے انتخاب سے لے کر اس کی تکمیل تک تمام مراحل خوش اسلوبی سے پورے ہوئے۔ شریک نگران ڈاکٹر گوہر نوشاہی کا بے حد شکریہ کہ جن قدیم نسخوں تک رسائی کے لیے مجھے بہت تگ و دو کرنی پڑتی وہ انھوں نے مجھے اپنے پاس سے عنایت کر دیے۔ ان نسخوں کے بغیر یہ تحقیق مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کے مشفقانہ رویے نے میرے لیے اس تحقیقی کام کو اور بھی آسان بنا دیا۔ تحقیقی کام میں کتابوں تک رسائی بھی ایک محنت طلب کام ہے اور اس کام کو میرے لیے ضیاء اللہ صاحب نے آسان بنا دیا جو کہ عبد المجید کھوکھر لائبریری گوجرانوالہ کا اہتمام سنبھالے ہوئے ہیں۔ انھوں نے محمد حسین آزاد پر ہر ممکن کتاب میرے لیے فراہم کی جس کے لیے میں ان کی بے حد شکر گزار ہوں۔ میرے متن کا کچھ حصہ اردو میں جب کہ کچھ حصہ فارسی میں تھا۔ سید مہدی شاہ صاحب کا شکریہ کہ انھوں نے فارسی متن کا اردو ترجمہ کر کے اسے میرے لیے قابل فہم بنایا لیکن ان کے قیاسی ترجمے نے کہیں کہیں ابہام پیدا کر دیا اور اس مشکل کو ڈاکٹر ایم سرفراز ظفر نے آسان کر دیا جس کے لیے میں ان کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے ترجمے میں ہر ممکنہ ابہام کو دور کیا۔ اس متن میں چند سطریں عربی زبان میں تھیں، ان کا ترجمہ محترمہ شیر از اختر نے کیا جو اسلامی یونی ورسٹی میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہیں، ان کا بھی بہت شکریہ۔ ازدواجی زندگی میں شریک زندگی کی مدد کے بغیر کچھ کرنا ہمارے معاشرے میں بہت مشکل ہے اس لیے میں اپنے شوہر کی شکر گزار ہوں کہ لائبریریوں تک رسائی، مالی معاونت، خلوص اور ان کے اپنائیت بھرے تعاون کی وجہ سے یہ تحقیقی کام مکمل ہو پایا۔ میں اپنی بہن عمارہ علی کی ممنون ہوں کہ یونی ورسٹی کے انتظامی کاموں اور اساتذہ تک میرے پیغام بر وقت پہنچانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے جس کی وجہ سے میں بہت سی پریشانیوں سے بچ گئی اور اپنی توجہ تحقیق پر مرکوز کر سکی۔ فرہنگ کی کمپوزنگ کے کام میں بھی عمارہ نے بہت مدد کی۔ اپنے والدین اور اساتذہ کی بھرپور دعاؤں کا شکریہ، جس نے مجھے اپنا تحقیقی سفر جاری رکھنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ان سب ارباب کی عنایات میرے لیے باعثِ فخر ہیں۔

ماہ جبین

فہرست موضوعات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۔	مقدمہ	۱
۲۔	سیر ایران: متنی تدوین	۲۱
۳۔	حواشی و تعلیقات	۸۱
۴۔	فرہنگ	۱۳۳
۵۔	کتابیات	۱۴۴

مقدمہ

حالاتِ زندگی:

مولانا محمد حسین آزاد ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۰ جون ۱۸۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ یہی تاریخ پیدائش ان کے مزار پر بھی کندہ ہے[1]۔ مادہ تاریخ پیدائش "ظہور اقبال" سے نکلتا ہے۔ ظہور اقبال آزاد کے استاد ابراہیم ذوق (۱۷۸۹۔۱۸۵۴ء) کی کہی ہوئی تاریخ ہے اور آزاد کی اقبال مندی کا دائمی نشان ہے۔ محمد اکرام چغتائی مطالعہ آزاد (۲۰۱۰ء) میں لکھتے ہیں۔

> آزاد کی تاریخ ولادت وہی ہے جو ان کی لوح مزار پر کندہ ہے یعنی ۱۸۳۰ء۔ ان کی درخواست برائے پنشن میں بھی یہی سن درج ہے لیکن بعد میں اس کو قلم زد کر کے ۱۸۳۵ء لکھ دیا گیا۔ یہ تحریف پنشن منظور کرانے کی زیادہ سے زیادہ عمر یعنی پچپن کی لازمی شرط کو پورا کرنے کی غرض سے کی گئی۔[2]

آزاد کے والد ماجد کا نام مولوی محمد باقر (۱۷۹۰۔۱۸۵۷ء) تھا جن کا شمار دہلی کی ممتاز شخصیات میں ہوتا تھا۔ مولوی محمد باقر کو دہلی میں پہلا اردو اخبار (۱۸۳۶ء) نکالنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ آزاد کا آبائی گھرانہ علم و فضل کے اعتبار سے جانا پہچانا تھا۔ آزاد کے اجداد میں مولانا محمد شکوہ، شاہ عالم کے دور میں نقل مکانی کر کے ہمدان سے دہلی آئے۔ ان کے پر دادا محمد اشرف اور دادا محمد اکبر دہلی کے نامی گرامی مجتہد تھے اور انھوں نے اپنے گھر میں دینی مدرسہ قائم کیا ہوا تھا۔ ان کی شادیاں ایرانی خواتین سے ہوئی تھیں۔ مولانا اکبر تک سب کی گھریلو زبان فارسی تھی۔ انہی محمد اکبر کے بیٹے محمد باقر تھے[3]۔ آزاد کی عمر تین چار برس کی تھی کہ ان کی والدہ امانی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت ان کے جد مولوی محمد اکبر نے کی۔ آزاد نے مذہبی اور درسی کتابیں اپنے دادا سے پڑھیں[4]۔ والدہ کے انتقال کے بعد ان کی پرورش ان کی پھوپھی کے ہاتھوں ہوئی۔

مکتبی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آزاد دہلی کالج(۱) بھیج دیے گئے۔ مولوی محمد باقر کے گہرے دوست مسٹر ٹیلر(Joseph Henry Tailor) (۲) کے کہنے پر انھیں دہلی کالج میں داخل کرایا گیا۔ کالج میں امامیہ جماعت میں داخل ہوئے لیکن قاری جعفر علی کے مولوی محمد باقر سے مناقشے کی وجہ سے ان کو سنی دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کا بھی موقع ملا۔ اس طرح وہ دونوں فرقوں کی تعلیم حاصل کر پائے۔ وہ کالج کے نمایاں اور ممتاز طالب علم رہے۔ اسی دوران انھیں دوبار مضمون نویسی کے مقابلے میں انعام بھی ملا[۵]۔ دہلی کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آزاد کو ذوقؔ کا ساتھ بھی نصیب ہوا۔ اسلم فرخی (۱۹۲۳-۲۰۱۶ء) لکھتے ہیں کہ آزاد کی شعر گوئی کی ابتدا بھی استاد ذوق کی نگرانی میں ہی ہوئی اور پندرہ برس کی عمر سے آزاد استاد ذوق کے ساتھ دہلی کے مشاعروں میں بھی جانے لگے۔[۶]

زمانہ طالب علمی میں ہی آزاد کا نام دہلی اردو اخبار (۱۸۳۶ء) میں طابع اور ناشر کی حیثیت سے آچکا تھا۔ ابرار عبد السلام لکھتے ہیں کہ ان کا نام ۳۰ اکتوبر ۱۸۵۳ء سے آنا شروع ہوا[۷]۔ آزاد نے کالج کے زمانے سے ہی مضمون لکھنے شروع کر دیے تھے اور دہلی اردو اخبار میں بھی پابندی سے لکھتے تھے[۸]۔

آزاد اپنے استاد ابراہیم ذوقؔ سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ اس کے نمونے آب حیات (۱۸۸۰ء) اور دیوان ذوق (۱۸۹۱ء) میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ انھی کے سامنے آزاد نے زانوئے تلمذ کیا اور ذوقؔ ہی ان کی شاعری کا محرک بنے۔ جس طرح آزاد نے اپنے استاد کے کلام کی جمع و تدوین کا کام سنبھالا۔ یہ بے شک ان کی اپنے استاد سے ارادت کا بیّن ثبوت ہے۔ استاد ذوق کے انتقال کے بعد آزاد نے ذوق سخن کی تسکین کے لیے حکیم آغا جان عیشؔ (۱۷۷۹ء پیدائش) کی خدمت میں حاضری دی اور ۱۸۵۷ء تک ان سے استفادہ کرتے رہے[۹]۔

آزاد کی شادی تقریباً اٹھارہ انیس سال کی عمر میں ۱۸۴۸-۱۸۴۹ء کے لگ بھگ مرزا محمد علی کی صاحبزادی آغائی بیگم سے ہوئی۔ جن سے آزاد کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکے کا نام محمد ابراہیم رکھا اور لڑکی کا نام امۃ السکینہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ آزاد کے لیے بڑی اذیت کا باعث بنا۔ ایک طرف تو آزاد کے والد مولوی محمد باقر کو مسٹر ٹیلر کے قتل کی پاداش میں گولی مار دی گئی اور ان کے آبا‌ؤاجداد کے تمام اثاثے اور کتب خانہ لوٹ مار کی نذر ہو گیا۔ دوسری طرف آزاد کے گھرانے پر فتح یاب لشکر نے دھاوا بول دیا، یوں آزاد دہلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

دلی سے بے سر و سامانی کے عالم میں نکل کر آزاد نے اپنے اہل خانہ کو سونی پت بھیج دیا اور خود اپنے والد کے دوست سردار جریل سنگھ کے پاس پہنچے جنھوں نے ان کی مدد کی اور ان کی وجہ سے وہ اپنے والد کو آخری بار دیکھ سکے۔ والد کی وفات کے بعد آزاد لکھنو گئے۔ کچھ عرصہ لکھنو رہنے کے بعد مدراس، نیل گری، بمبئی اور مالوے میں

قیام کرتے ہوئے جیند پہنچے اور دفتر فوجداری میں محافظ ہو گئے۔ دس مہینے یہیں رہے اور پھر استعفیٰ دے کر جگراؤں لدھیانہ کا رخ کیا اور اپنے اہل خانہ کو بھی یہیں بلا لیا۔ یہاں نواب رجب علی ارسطو جاہ کے مطبع مجمع البحرین میں کام کرتے رہے۔ یہاں بھی مستقبل تاریک نظر آیا تو ۱۸۶۱ء میں لاہور آ گئے[۱۰]۔

اپنے پھوپھی زاد بھائی کے گھر لاہور رہے اور انھی کے توسط سے پوسٹ ماسٹر جنرل کے دفتر میں نائب سر رشتہ دار کی نوکری حاصل کی۔ ۱۸۶۲ء تک اس سے منسلک رہے۔ اور پھر اس سے بھی استعفیٰ دے دیا۔

۱۸۶۴ء کا سال آزاد کی ادبی زندگی کا اہم سال ہے۔ اسی سال آپ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور اسی سال آپ نے تین تصانیف قلم بند کیں۔ قواعد عربی، منطق اور نصیحت کا کرن پھول (۱۸۶۴)۔ ان میں سے نصیحت کا کرن پھول زیورِ طباعت سے آراستہ ہو سکی اور نصاب میں بھی شامل کر دی گئی۔ آزاد اس زمانے میں ملازمت کے ساتھ ساتھ انگریزوں کو اردو پڑھانے کا کام بھی کرتے تھے۔ اسلم فرخی لکھتے ہیں کہ یہی چیز ان کے اور لائٹنر کے تعارف کا باعث بنی۔ یہ سلسلہ دسمبر ۱۸۶۴ء میں شروع ہوا اور پانچ مہینے جاری رہا۔ جی ڈبلیو لائٹنر(۳) (Gottlieb Wilhelm Leitner.1840-1899) وہ شخصیت تھے جنھوں نے انجمن پنجاب (۱۸۶۵ء) کی بنیاد ڈالی۔ انجمن کا نام انجمن مطالب مفیدہ پنجاب رکھا گیا۔ آزاد انجمن کے سرگرم رکن بن گئے۔ اور انھوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ انجمن کے ذریعے اپنی خداداد صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۸ء تک بائیس مقالے لکھے اور انجمن کے مختلف جلسوں میں پیش کیے۔ اسی دوران آزاد کو باغی ہونے کی تحقیقات کے سلسلے میں شملہ بلایا گیا لیکن لائٹنر اور ارسطو جاہ کی بدولت اس معاملے سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی۔ محمد حسین آزاد نے وسط ایشیا کے ممالک کی سیر کی۔ آغا محمد اشرف (۱۹۱۲۔ ۱۹۶۲ء) لکھتے ہیں کہ مولانا نے وسط ایشیا کی سیاحت ۱۸۶۵ء میں کی[۱۱]۔ یہ ایک خفیہ مشن تھا جس پر حکومت ہند نے انھیں وسط ایشیا کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس خفیہ مشن کا مقصد روس کے بڑھتے ہوئے توسیع پسندانہ عزائم سے آگاہی حاصل کرنا تھا تاکہ ان کو روکا جا سکے۔ آزاد کابل سے ترکستان، بخارا، سمرقند، تاشقند، جیند، خوقند، بدخشاں، کافرستان اور چترال میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے مردان کے راستے واپس پشاور پہنچے۔

واپس آ کر آزاد نے انجمن کے تنظیمی معاملات کو سنبھالا اور رسالے کی ترتیب کا فریضہ بھی ان کے سپرد کیا گیا۔ آزاد گورنمنٹ کالج لاہور میں لیکچر بھی دیتے تھے۔ اکرام چغتائی نے آزاد کی زندگی کے اہم سنین کے ضمن میں

لکھا ہے کہ ۱۸۶۷ء میں آپ انجمن پنجاب کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور ۱۸۶۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر ہوئے۔ [۱۲]

گورنمنٹ کالج میں تدریس کے فرائض کے ساتھ ساتھ صحافتی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں اور اخبارہمانے پنجاب کی ادارت کے فرائض سرانجام دیے۔ پنجاب کے سرکاری سکولوں میں نصابی کتب کے نہ ہونے کے سبب لفٹیننٹ جنرل نے سخت نکتہ چینی کی تو آزاد نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس کام میں مصروف ہوگئے۔ اس سلسلے کا پہلا اجلاس دو مئی ۱۸۷۴ء کی شام انجمن کے مکان پر منعقد ہوا۔

آزاد کے لیکچروں، نظموں اور عملی شرکت نے ان مشاعروں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ان مشاعروں کی مخالفت بھی کی جاتی رہی۔ یہ دور آزاد کی زندگی کا اہم ترین دور تھا کیوں کہ اس دوران آزاد نے وہ تصانیف لکھیں جنھوں نے انھیں شہرت دوام عطا کی۔ ان کے جو مضامین رسائل و جرائد میں چھپتے تھے، انھی کی بنیاد پر انھوں نے جامع تصنیفات کا ارادہ بنایا۔ ۱۸۸۰ء میں آب حیات منظر عام پر آئی۔ نیرنگ خیال کا پہلا حصہ ۱۸۸۰ء اور دوسرا ۱۸۸۳ء میں شائع ہوا۔

آزاد کی زندگی کا ایک نیا موڑ ان کے سفر ایران ۱۸۸۵ء سے شروع ہوتا ہے۔ ایران کی سیاحت آزاد کی دیرینہ خواہش تھی۔ اسی سال ان کی بیٹی امۃ السکینہ کی وفات کا صدمہ آزاد کو پہنچا۔ اس صدمہ سے ان پر جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی کیوں کہ ان کی یہ دختر تصنیف و تالیف میں بھی ان کی مدد کرتی تھی۔ آپ ایران سے ۱۸۸۶ء میں واپس آئے۔ آپ نے ایران کے مختلف قصبوں اور علاقوں میں سیاحت کی اور بیش بہا نایاب کتب لے کر واپس وطن آئے۔ ان کی آمد پر ان کے اعزا و اقارب نے لیکچر کا انتظام کیا جو چوبیس جولائی کی شام چھ بجے ایک عام جلسہ انجمن ہال میں منعقد ہوا۔ دور دور سے لوگ انھیں سننے کے لیے آئے۔ یہ لیکچر اخبارات کے ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں نے اپنے اخباروں میں چھاپا۔

ایران سے واپسی پر درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا لیکن آزاد ملازمت سے بددل ہو چکے تھے۔ حکومت گورنمنٹ کالج لاہور سے علوم شرقیہ کا شعبہ یونی ورسٹی کے حوالے کرنا چاہتی تھی اور یونی ورسٹی کے ارباب حل و عقد یہ چاہتے تھے کہ تمام علوم کی تدریس ترجموں کے ذریعے ہو جایا کرے اور انگریزی کے لیے ایک پروفیسر رکھ لیں۔[۱۳] یوں عربی اور سنسکرت کی کلاسوں کو اورینٹل کالج منتقل کر دیا گیا۔ آزاد کی منتقلی اورینٹل کالج میں اسی سلسلے میں تھی۔ آزاد نے اپنی توجہ کتب خانے کے قیام کی طرف مبذول کر لی۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی لکھتے ہیں۔

> بلدیہ لاہور نے (دہلی دروازہ اور اکبری دروازہ کے درمیان واقع) شاہ محمد غوث لاہوری کے مزار کے پاس انھیں ایک قطعہ زمین دے دیا۔ وہاں آزاد نے اپنی گرہ سے، لاہور کے معروف ماہر تعمیرات رائے بہادر گنگارام کی نگرانی میں کتب خانہ کی عمارت بنوائی، فرنیچر رکھوایا اور کتب خانہ آزاد کی سنگی تختی نصب کی۔ ۱۳۰۴ھ۔ ۱۸۸۷ء میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر نے وہاں کا دورہ کیا اور پنجاب پبلک لائبریری، لاہور کا ڈائریکٹر جنرل ہونے کی حیثیت سے یہ منظور کیا کہ پنجاب پبلک لائبریری سے فالتو کتابیں خارج کر کے کتب خانہ آزاد کو تحفہ دے دی جائیں۔ [۱۴]

۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کے پچاس سالہ جشن کے موقع پر ان کو شمس العلما کا خطاب عطا کیا گیا۔ آزاد اپنے تمام معاصرین میں پہلے شخص تھے جنھیں اس خطاب سے نوازا گیا[۱۵]۔

۱۸۸۷ء میں ہی آزاد نے اپنے صاحبزادے آغا محمد ابراہیم کی شادی بھی کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ آزاد نے دیوان ذوق کی ترتیب و تدوین میں غیر معمولی محنت سے کام کیا جس سے ان کا دماغی توازن درست نہ رہا۔ اس حالت میں آزاد کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ملازمت کی ذمہ داریاں ادا کر سکیں چنانچہ پنشن کے لیے تگ و دو کی گئی۔ یہ پنشن آزاد کو زندگی کے آخری ایام تک ملتی رہی۔ یوں آزاد کی چھبیس سالہ ملازمت کا دور ختم ہو گیا۔ اس ملازمت میں انھوں نے نصاب کی کتابیں لکھیں، درس و تدریس کی، اخبار کی ایڈیٹری کی، نئی نظم اور مشاعرے کی بنیاد رکھی اور مخالفتیں بھی سہیں۔ اپنی زندگی کی ان مسلسل کوششوں، محنتوں، صدمات اور پریشانیوں نے انھیں عالم جنوں میں پہنچا دیا۔ سید جالب دہلوی ۱۹۰۷ء میں لکھتے ہیں۔

> غور کیا جائے تو مولانا کی حالت کا یہ زبردست انقلاب کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں، کیوں کہ حکمائے مشرق و مغرب دونوں اس بارے میں متفق الرائے ہیں کہ دماغی کام کرنے والے اپنی محویت و استغراق سے یہ راستہ برابر طے کرتے رہتے ہیں اور شعرا تو بلند پروازی خیال کی مدد سے اکثر اس کی سرحد کے لگ بھگ ہی پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑا یونانی فلسفی لکھتا ہے: "اگر میں اپنے تمام خیالات لوگوں پر ظاہر کر دوں تو فی الفور پاگل قرار پاؤں"۔ [۱۶]

ملازمت کے زمانے میں آغا محمد ابراہیم انھیں دلی علاج کی غرض سے لے کر گئے۔ اسی عالم میں انھوں نے علی گڑھ کا بھی سفر کیا۔ عمر کے آخری حصے میں آزاد کی تکالیف مزید بڑھ گئیں اور بواسیر کے مرض نے ۱۹۰۹ء کے

آخر میں شدت اختیار کر لی۔ آخر کار اپنی بیماریوں اور تکلیفوں سے ۲۲ جنوری ۱۹۱۰ء کو عاشورے کی شب نجات پائی اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

آزاد کی تصانیف:

اسلم فرخی لکھتے ہیں کہ شمس العلماء محمد حسین آزاد کی تصنیفی زندگی ساٹھ سال کے طویل عرصے پر محیط ہے۔ آزاد کی تصانیف مختلف موضوعات پر ہیں۔ ان میں تاریخ، انشا پردازی، لسانیات، تمثیل، درسی کتب، اور نظم و غزل سب شامل ہیں۔ ذیل میں ان کی تصانیف کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے۔

۱۔آب حیات:

آبِ حیات کی پہلی اشاعت ۱۸۸۰ء میں منظر عام پر آئی۔ آزاد نے آب حیات کو مشاہیر شعرائے اردو کی سوانح عمری کہا ہے۔ آب حیات پانچ ادوار پر مشتمل اردو کے لگ بھگ تمام شعرا کے ذکر اور ان کے نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس تصنیف کو اپنے موضوع اور اپنے اسلوب کی وجہ سے اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس تصنیف کی اشاعت اول کے بعد آزاد کو بہت سی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ آزاد نے نظر ثانی کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۳ء میں شائع کیا اور اس میں قابل قدر اضافے کیے اور مخالفین کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن اس کے بعد بھی منظر عام پر آئے اور آ رہے ہیں۔

۲۔نیرنگِ خیال :

آب حیات کے بعد آزاد کی اہم تصنیف نیرنگ خیال ہے۔ اس کا پہلا حصہ ۱۸۸۰ء اور دوسرا حصہ ۱۸۸۳ء میں شائع ہوا۔ نیرنگِ خیال مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جن میں آزاد نے جانسن اور ایڈیسن کے مضامین کو اردو ترجمے کے روپ میں پیش کیا ہے۔ یہ آزاد کی انشا پردازی کا دلکش نمونہ ہیں۔ نیرنگ خیال کے مضامین تمثیلی ہیں۔ کتابی صورت میں شائع ہونے سے پہلے بعض مضامین انجمن مفید عام قصور کے رسالے میں شائع ہوئے۔ یہ کتاب آزاد کے اسلوب کی وجہ سے اردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

۳۔سخن دان فارس:

سخن دان فارس آزاد کی اہم اور اپنے موضوع کے اعتبار سے انتہائی وقیع تالیف ہے۔ یہ کتاب آزاد کے ان لیکچروں پر مشتمل ہے جو آغا محمد باقر کے بقول انھوں نے لاہور کے ٹریننگ کالج میں دیے۔ یہ کتاب دو حصوں

میں منقسم ہے۔ حصہ اول کے لیکچر ۱۸۷۲ء میں دیے گئے۔ حصہ دوم میں گیارہ لیکچر ہیں یہ ۱۸۷۴ء میں دیے۔ ۱۸۸۷ء میں آزاد نے پورے مجموعے کی نظر ثانی کی لیکن اپنی زندگی میں اسے شائع نہ کرا سکے۔ آغا محمد ابراہیم نے اسے ۱۹۰۷ء میں شائع کرایا۔

۴۔ نگارستان فارس:

آغا محمد طاہر نے آزاد کے مسودات میں سے نگارستان فارس کا مسودہ نکالا اور اسے ۱۹۲۲ء میں من وعن شائع کرا دیا۔ نگارستان فارسی کے پینتیس شعرا کے حالات اور نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب نامکمل اور ترتیب وتوازن کے اعتبار سے کم ہے۔

۵۔ دربارِ اکبری:

۱۸۹۸ء میں دربارِ اکبری پہلی مرتبہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔ مولوی ممتاز علی نے اسے آزاد کے مسودات سے مرتب کیا اور مقدمہ لکھا۔ طبع ثانی کی اشاعت آغا محمد ابراہیم نے مقدمہ لکھ کر کروائی۔ یہ ایک تاریخی کتاب ہے لیکن اسلم فرخی اس بارے میں لکھتے ہیں۔ دربار اکبری کو تاریخی شہ کار نہ مانتے ہوئے اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی بقا کا راز محض اس کی زبان میں ہے۔

۶۔ دیوان ذوق:

آزاد کے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق کا مجموعہ کلام ہے جس کی ترتیب و تدوین میں آزاد نے بہت محنت کی ہے۔ اس دیوان کی ترتیب کا کام آزاد نے ۱۸۸۷ء میں شروع کیا اور ۱۸۸۸ء میں مکمل کیا اور ۱۸۹۱ء میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ آزاد اپنی تمام عمر اپنے استاد کے کلام کو سینے سے لگائے اس کی جمع اور ترتیب کا انتظام کرتے رہے۔

۷۔ ڈرامہ اکبر:

آزاد کی ادبی فتوح میں ڈرامہ اکبر کو تاریخی حیثیت داخل ہے۔ اس میں جہانگیر اور نور جہاں کی داستان محبت پیش کی گئی ہے۔

۸۔نظمِ آزاد:

۱۸۹۷ء میں آغا محمد ابراہیم نے آزاد کی نظموں کا مجموعہ نظمِ آزاد کے نام سے شائع کیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں آزاد کی وفات کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن چھاپا گیا جس میں غزلیات، قصائد اور متفرق اشعار مجموعے میں شامل کیے گئے۔ لیکن تیسرے ایڈیشن میں آغا باقر نے ان غزلیات، قصائد اور متفرق اشعار کو علیحدہ کر لیا۔ نظم آزاد گیارہ مثنویوں اور نو نظموں پر مشتمل ہے۔

۹۔خم کدہ آزاد:

۱۹۳۲ء میں خم کدہ آزاد کے نام سے ان کا ایک مجموعہ کلام چھپ گیا جس میں غزلیں، نظمیں، سہرے، قصائد سلام اور متفرق اشعار شامل ہیں۔

۱۰۔قصص ہند(حصہ دوم):

اس میں ہندوستان کے مشہور تاریخی واقعات کو دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۹ء میں لکھی گئی اور ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ مسلمان بادشاہوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

۱۱۔کائنات عرب:

عرب کے جغرافیہ اور وہاں کے دیگر تاریخی و سماجی حالات ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۶ء میں لاہور سے چھپی۔

۱۲۔فلسفہ الہیات:

۱۹۲۶ء میں اسے آغا محمد طاہر نے شائع کیا۔ یہ ایک فلسفیانہ رسالہ ہے۔

۱۳۔نصیحت کا کرن پھول:

سنہ تصنیف ۱۸۶۴ء۔ طبع دوم ۱۹۱۷ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ ایک بڑے فن کار کا نقشِ اول ہے۔ آزاد کی تعلیمی اور ادبی تصانیف میں اسے اولیت حاصل ہے اور یہ اسی لیے زندہ رہے گی۔

۱۴۔سپاک و نماک:

یہ دو مختلف رسالے ہیں۔ ان کا موضوع فلسفہ مذہب ہے۔ ۱۹۲۷ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔

۱۵۔ مکاشفات:

اسلم فرخی لکھتے ہیں کہ مکاشفات آزاد ۱۸۸۵ء کی تصنیف ہے جسے مولوی ممتاز علی نے ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔ مکاشفات آزاد مطلع بے خودی کی پہلی کرن ہے۔[۲۴]

۱۶۔ جانورستان:

اس میں پرندوں اور جانوروں کے متعلق بڑے دلچسپ انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۹۲۲ء اور دہلی سے ۱۹۲۸ء میں چھپی۔

۱۷۔ بیاض آزاد:

اسے ۱۹۲۳ء میں آغا محمد طاہر نے چھاپا۔ یہ اردو شعرا کے متفرق اشعار کا انتخاب ہے۔

۱۸۔ مکتوبات آزاد:

۱۹۰۶ء میں مخزن میں مکتوبات آزاد کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا جو سید حسن بلگرامی کے نام تھے۔ یہی مکتوبات بعد میں سید جالب دہلوی کے دیباچے کے ساتھ کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں آغا محمد طاہر نے اڑسٹھ خطوط کے اضافے کے ساتھ نیا ایڈیشن چھاپا۔ نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگو نجز میں ان مکتوبات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بھی لکھا گیا ہے۔

۱۹۔ مقالات آزاد:

تین جلدوں پر مشتمل مجلس ترقی ادب نے آزاد کے مقالات شائع کیے جنھیں آزاد کے پوتے آغا محمد باقر نے ترتیب دیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئے۔

۲۰۔ سیر ایران:

آغا محمد طاہر نے ۱۹۲۲ء میں کریمی پریس لاہور سے شائع کی۔ یہ ایک لیکچر اور ایک نا تمام روزنامچے پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں وہ لیکچر ہے جو آزاد نے ایران سے واپس آ کر چھبیس جولائی ۱۸۸۶ء کو انجمن ہال لاہور میں دیا تھا۔ انھوں نے ایک لیکچر میں اپنے سارے مشاہدات کو سمیٹنے کی پر خلوص کوشش کی ہے۔ آزاد کا روزنامچہ ابتدا میں سفر کی تفصیل سامنے لاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اختصار کی جانب چلا جاتا ہے غالباً ان کا ارادہ ایک مبسوط سفر نامہ لکھنے کا تھا۔ سفر نامہ تو مرتب نہ ہو سکا لیکن روزنامچے نے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کیا ہے۔

۲۱۔لغت آزاد:

اس کا سنہ تالیف ۱۸۸۷ء ہے لیکن آزاد کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی۔ آغا محمد طاہر نے اسے ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔ اس کا طبع جدید مع تصحیح واضافہ از ڈاکٹر معین نظامی پنجاب یونی روسٹی سے ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا ہے۔

۲۲۔تذکرہ علماء:

ہندوستان کے تقریباً چالیس سنی اور شیعہ (۳) علما کا تذکرہ ہے جنھوں نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں علم کی روشنی پھیلائی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی۔

اس کے علاوہ یہ تصانیف بھی ہیں۔

۲۳۔**اردو کی پہلی کتاب(حصہ اول تا چہارم)** کراچی ۱۹۶۳ء۔

۲۴۔**فارسی کی جامع القواعد** (لاہور ۱۸۸۵ء)۔

۲۵۔**قواعد اردو** (غیر مطبوعہ)

۲۶۔**آموزگار فارسی** (سنہ تصنیف ۱۸۸۷ء)

۲۷۔**فارسی کی پہلی کتاب** (لاہور ۱۸۷۵ء)

۲۸۔**فارسی کی دوسری کتاب** (لاہور ۱۸۷۸ء)

۲۹۔**گلگونۂ اسلام** (لاہور ۱۹۷۶ء)

۳۰۔قند پارسی:

سفر ایران سے واپسی پر آزاد نے فارسی سکھانے کے لیے ایک کتاب قند پارسی لکھی۔ یہ کتاب ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی تھی لیکن ۱۸۸۵۔۱۸۸۶ء میں نظر ثانی کے بعد پہلی بار ۱۹۰۷ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔

آزاد کا سفر ایران اور سیر ایران

مولانا محمد حسین آزاد کو اپنے آباؤ اجداد اور ان کے موطن سے دلی لگاؤ تھا۔ ان کے حالات زندگی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آزاد اپنے ماضی سے ہمیشہ لو لگائے رہے ہیں۔ اسی محبت میں وہ ترکستان و تاتار کے سفر کر آئے تھے جو کہ خاص طور پر انگریز حکومتِ ہند کا ایک خفیہ مشن تھا۔ وسط ایشیا کی سیاحت (۱۹۶۵ء) انگریز حکومت کی ایما پر وہاں کے حالات معلوم کروانے کے لیے اور جاسوسی کی غرض سے کیا گیا۔ آزاد بھی اس مشن کا ایک رکن تھے۔

ایران آزاد کے لیے مشرقی تہذیب کا گہوارہ بھی تھا جسے وہ کتابوں میں پڑھتے آئے تھے اور اس کو دیکھنے کے خواہش مند تھے، جس کے اشارے انھوں نے سخن دان فارس (۱۹۰۷ء) میں جا بجا دیے ہیں۔ آزاد ایران جانے کے شدید خواہش مند تھے۔ ایران آزاد کی محبوب زبان فارسی کا گہوارہ تھا۔ آزاد کے بزرگوں نے ایران کو خیر باد کہہ دیا لیکن اپنی مادری زبان فارسی سے تعلق کی روایت کو برقرار رکھا۔ آغا محمد طاہر (۱۸۹۹۔۱۹۵۷ء) لکھتے ہیں۔

> اپنے بزرگوں کے وطن کی سیر کا کانٹا جس ذوق و شوق سے مولانا کے پہلو میں کھٹکتا تھا اکثر جگہ تحریروں میں لہو ہو کر ٹپکا ہے مگر وقت کی مجبوری اور واقعات کی مصلحت ہندوستان کا دامن نہ چھوڑنے دیتی تھی۔ اگرچہ علمی و ادبی تحقیقات کے غنچے چٹکیاں لیے جاتے تھے۔ آخر وہ مبارک گھڑی آہی گئی۔[۱۷]

آزاد نے ستمبر ۱۸۸۵ء میں ایران جانے کا ارادہ کیا۔ ملازمت سے رخصت کی درخواست کی۔ ڈاکٹر لائٹنر جو اس وقت پنجاب یونی ورسٹی کے رجسٹرار تھے، انھوں نے آزاد کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ یہ معاملہ سر چارلس اِیچی سن کے روبرو ہوا۔ وہ آزاد کو اچھی طرح جانتے تھے انھوں نے یہ رخصت بیس ستمبر کو منظور کر لی۔ رخصت منظور ہو جانے کے بعد بھی ان کے احباب نے انھیں روکا اور سمجھایا۔ بعضوں نے ضعیفی عمر کا حوالہ دیا اور بعضوں نے جنون کا لیکن آزاد متزلزل نہ ہوئے اور اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔

آزاد کے سفر ایران کا مقصد علم کی جستجو اور کتابوں کی تلاش تھا۔ مولانا کو فارسی زبان و ادب سے براہ راست تعلق بنانے کا اشتیاق تھا۔ وہ فارسی زبان کو اس کے گہوارے یعنی سرزمینِ ایران میں دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتے تھے۔ آزاد کو اپنی تصانیف خصوصاً سخن دان فارس اور جامع لغاتِ فارسی مرتب کرنے کے لیے سفر ایران ضروری محسوس ہوا۔

اپنے سفر ایران کا مقصد آزاد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> دل برسوں سے آرزو مند ہے کہ رخصت لے کر جگہ سے حرکت اور خدا سے برکت لینی چاہیے۔ اس میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ بعض کتابیں زبان فارسی کی (مسودہ) پڑی ہیں کہ ان کی تکمیل اس کے سوا ممکن نہیں۔ [۱۸]

آزاد کے سفر ایران کے حالات ان کی کتاب سیر ایران سے سامنے آتے ہیں جو کہ ایک لیکچر اور ایک نا تمام روزنامچے پر مشتمل ہے جسے آغا محمد طاہر نے کریمی پریس لاہور سے چھاپا اور جس کے خوش نویس عبد المجید لاہور سے تھے۔

لیکچر مولانا آزاد نے سفر ایران سے واپسی پر چوبیس جولائی ۱۸۸۶ء کو انجمن ہال لاہور میں دیا تھا جسے سننے کے لیے لوگ جوق در جوق آئے۔ اخبارات و رسائل کے ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں نے اس کو اپنے اخبارات میں شائع کیا۔

یہ لیکچر ہفتہ وار اخبار رفیق ہند نے اکتیس جولائی ۱۸۸۶ء کے پرچے میں شائع کیا۔ اخبارِ عام نے تین اقساط میں، اٹھائیس جولائی ۱۸۸۶ء میں پہلی قسط، اکتیس جولائی ۱۸۸۶ء میں دوسری اور چار اگست ۱۸۸۶ء کے پرچے میں تیسری قسط شائع کی۔ سیر ایران میں جو لیکچر چھپا ہے اس کی بنیاد رفیق ہند لاہور ہے۔ اس کے علاوہ آغا محمد باقر نبیرہ محمد آزاد نے جب مقالات محمد حسین کی ترتیب و تدوین کی تو سیر ایران کے اس لیکچر کو بھی جلد اول میں جگہ دی اور اس کی بنیاد بھی رفیق ہند لاہور تھا۔

کتاب کا دوسرا حصہ روزنامچہ ہے جسے آغا محمد طاہر نے محمد حسین آزاد کے کاغذوں میں سے تلاش کیا اور جس قدر ممکن ہو سکا روزنامچہ کے نام سے چھپوا دیا۔ محمد حسین آزاد کی آرزو تھی کہ ایران سے واپس آکر سفر نامہ ایران ترتیب دیں جس کے لیے وہ دوران سفر یاداشتیں لکھتے رہے۔ یہ وہی کاغذات ہیں جو آغا محمد طاہر کو ملے تھے۔

آغا محمد طاہر نے روزنامچے کا کچھ حصہ رسالہ ہمایوں بابت مئی ۱۹۲۲ء، جون ۱۹۲۲ء، جولائی ۱۹۲۲ء اور اگست ۱۹۲۲ء کے شماروں میں چار اقساط میں شائع کرایا۔ رسالہ ہمایوں میں آزاد کی اس تحریر کا خیر مقدم ان الفاظ میں کیا گیا۔ میاں بشیر احمد لکھتے ہیں۔

> بزمِ ہمایوں میں آزاد کی آمد آمد کا چرچا ہے۔
>
> آزاد——— وہی! اردو کے صحرائے لق ودق کا لالہء خود رو جو اپنے رنگ و بو میں یکتا اور اپنی دلکشی میں بے مثال و شہرہ آفاق ہے۔ وہی! بوستان ادب کا سدا بہار پھول جس کی بھینی بھینی نکہت چمن چمن میں گل آفرینی کے کرشمے دکھاتی پھرتی ہے۔ [۱۹]

آزاد کا سفر ایران تقریباً ایک سال کے عرصے پر محیط ہے۔ اس سفر کا آغاز تئیس ستمبر ۱۸۸۵ء کو ہوا اور جولائی ۱۸۸۶ء کو آزاد واپس آئے۔ ان کے واپس آتے ہی چوبیس جولائی ۱۸۸۶ء کو انجمن ہال میں جلسہ منعقد ہوا جس میں آزاد نے اپنے سفر کی روداد لیکچر کی صورت میں پیش کی۔ آزاد کا سفر مختلف کیفیات، مشاہدات اور تاثرات کا مجموعہ ہے۔ آزاد جب ایران میں پہنچے، اس وقت قاچاری حکومت کا عہد تھا۔ محمد شاہ قاچار کے بعد ناصر الدین شاہ قاچار مسند حکومت پر تھا۔ عہد قاچاری میں فتح علی شاہ نے اڑتیس برس حکومت کی۔ اس کے عہد میں ایران نے انگلستان اور فرانس کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کیے اور یوں یورپ اور ایران کے درمیان فاصلے کم ہوئے۔ محمد شاہ کا جانشین ناصر الدین شاہ ایک روشن خیال شخص تھا۔ اس نے یورپ کے کئی دورے کیے اور ایرانی طلبہ کو یورپ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظائف دیے۔ یہ دور ایران میں نشاۃ ثانیہ کا دور تھا۔ ایسے میں جب آزاد ایران کا سفر کرتے ہیں تو وہ اس سے بہت متاثر ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ آزاد نے ایران کے شہروں بوشہر، شیراز، اصفہان، کاشان، قم، تہران، مشہد، سمنان، دامغان، شاہ رود، بسطام، سبزوار، نیشاپور، تربت جام اور ہرات کو دیکھا۔

فارسی زبان آزاد کے آباؤ اجداد کی زبان تھی لہٰذا آزاد کو بہت مرغوب تھی۔ آزاد سرزمین ایران میں داخل ہوتے ہی وہاں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ آزاد ایران کے شہر بو میں پہنچتے ہیں اور وہاں کے بچوں کو فارسی بولتے دیکھتے ہیں تو ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ جب آزاد شہر شیراز میں پہنچتے ہیں تو ان کے اندر کا عقیدت مند جاگ اٹھتا ہے۔ وہ حافظ اور سعدی کے مزارات پر جاتے ہیں اور اس شہر کو دیکھنے کا ارمان پورا ہو جانے پر شکر الٰہی بجالاتے ہیں۔ شیراز کے بازار، کارواں سرائے، کہنہ مدرسے، وسیع بلند پرانی مسجدیں سب آزاد کے لیے قابل دید ہیں۔ شیراز میں آزاد اپنے مقصد کی تلاش میں نکلتے ہیں جو کہ علم اور کتابوں کی جستجو ہے۔ آپ شیراز کے علما سے ملتے ہیں جن میں نواب مرزا علی خان صدر اور حاذق حاجی مرزا حسن کے نام قابل ذکر ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی جا کر وہاں کے علما سے ملاقات کا شوق دامن گیر رہا۔ شہر اصفہان میں جاتے ہیں تو دریائے زندہ رود کی

تعریف کرتے ہیں۔ آزاد تہران دارالخلافہ ایران کو علوم و تہذیب کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ وہاں کی مسجدوں، مدرسوں اور بازاروں کی تعریف کرتے ہیں اور دارالفنون کو یونی ورسٹی قرار دیتے ہوئے اس کے نظام تعلیم سے متاثر نظر آتے ہیں۔ تہران میں جاکر آزاد علم کی تلاش میں نکلتے ہیں اور وہاں کے علما سے ملاقاتیں کرتے ہیں جن میں معتمد الدولہ نواب فرہاد مرزا، نواب مخبر الدولہ وزیر تعلیم، مانک جی، مرزا رضا خان گشلو اور مرزا فروغی کے نام قابل ذکر ہیں۔ تیرھویں صدی ہجری کو دراصل ایران میں شعور و آگاہی و بیداری کا دور سمجھا جاتا ہے اور اسی سے آزاد متاثر نظر آتے ہیں۔ آزاد ایران کی تہذیب و معاشرت کے دلدادہ ہیں اسی لیے جب وہ ایران سے رخصت کے وقت براستہ قندھار اور ہرات (افغانستان) سے واپس آتے ہیں تو افغانوں کے رویے سے نالاں نظر آتے ہیں۔ ایرانی اور افغانی معاشرت کا واضح فرق ان کی تحریر میں نظر آتا ہے۔

آزاد اپنے اس سفر نامے سے موسمی، جغرافیائی اور تاریخی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ جس شہر میں جاتے ہیں وہاں کی موسمی کیفیات کا بیان تفصیل سے کرتے ہیں۔ وہاں کی تہذیب و ثقافت، رہن سہن، لباس و اوضاع اور کھانے پینے کی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جس سے وہاں کی معاشرت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جغرافیائی اور تاریخی معلومات ان کے روزنامچے میں تفصیل سے نظر آتی ہیں جیسا کہ آزاد ایران کے حماموں کا ذکر کرتے ہیں اور یوں منظر کشی کرتے ہیں کہ ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔

اس سفر نامے میں سماجی، سیاسی اور تاریخی شعور بھی دکھائی دیتا ہے۔ آزاد جس شہر میں جاتے ہیں وہاں کی قدیم عمارتوں اور اس کے بنانے والے کی ہمتوں کو سلام پیش کرتے ہیں۔ چونکہ ایران جنگ و جدل کا میدان رہا ہے اس لیے اس کا ہر شہر اپنی ایک الگ تاریخ رکھتا ہے، آزاد اس تاریخ سے ہمارا تعارف کرواتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ آزاد کے اس سفر نامے سے ہندوستان کی تجارت کے بارے میں معلومات بھی ملتی ہیں۔ اس دور میں ہندوستان اشیائے تجارت برآمد کرتا تھا۔ بحری سفر کے دوران مختلف بندرگاہوں پر تجارت کی غرض سے آنے والا مال ایران، عرب اور دیگر جگہوں پر جاتا تھا۔ ہندوستان بہت کم مال جاتا تھا بلکہ ہندوستان کا مال دوسرے ممالک میں برآمد کیا جاتا تھا۔

آزاد کی شخصیت کے مختلف پہلو بھی اس سفر نامے سے سامنے آتے ہیں۔ ان کی بلند ہمتی جو دوران سفر پیش آنے والے مصائب و مشکلات سے مقابلہ کرتی ہے اور ہر مشکل کو ہنس کر برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ آزاد مصائب سے نہیں گھبراتے اور نہ ہی اپنی طبیعت کی خرابی کی پرواہ کرتے ہیں۔ دوران سفر انھیں جاڑے کے ڈرنے

خوف زدہ کیے رکھا، پسلی ٹوٹنے کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا مگر آزاد خندہ پیشانی سے ان مشکلات کو جھیل جاتے ہیں اور اپنے مقصد سفر یعنی کتابوں کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کرتے ہیں۔ بارش ہو جاتی تو کتابوں پر گدے ڈال کر خود اوپر بیٹھ جاتے۔ انھیں یہ فکر دامن گیر رہی کہ وہ سرمایہ علم جو کتابوں کی صورت میں انھوں نے پورے سال میں اکٹھا کیا ہے، کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ آزاد کا کتب جمع کرنے اور ان کا خیال رکھنے کا جذبہ اپنی جان سے بڑھ کر نظر آتا ہے۔ انھوں نے کتابوں کے لیے دوران سفر بہت سی قربانیاں دیں۔ بحری جہاز میں آرام دہ درجہ دوم کو چھوڑ کر درجہ سوم میں سفر کیا تاکہ جو روپیہ بچے، اس سے زیادہ سے زیادہ کتابیں خرید سکیں۔ آزاد خانہ بربادوں کی طرح گزارا کرتے ہیں تاکہ زیادہ کتابیں جمع ہو سکیں۔ یہاں ایک مقصد کی لگن نظر آتی ہے اور آزاد اپنے مقصد سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ آزاد کا ذوق تحقیق پورے سفر میں حاوی رہا ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں مزارات اور عمارتوں کے کتبوں کی عبارتیں نقل کر لیتے ہیں۔ روزنامچے میں انھوں نے کتبوں کی عبارتیں جگہ جگہ نقل کی ہیں۔ یہاں آزاد ایک عقیدت مند کے روپ میں بھی نظر آتے ہیں جو مختلف صوفیا، بزرگان دین اور شعرا کے مزاروں پر جاتا ہے اور چادریں اور پھول چڑھا کر درود و فاتحہ پڑھتا ہے، ایران میں مقدس زیارتیں کرتا ہے اور دلی تسکین حاصل کرتا ہے۔

آزاد کا سفر نامہ اپنے اسلوب کے لحاظ سے بھی اہم ہے۔ لیکچر کی شان اس کا ایجاز و اختصار ہے جس میں کوئی اہم نقطہ چھوٹنے نہیں پایا۔ آزاد کے مشاہدے اور اسلوب کی رنگارنگی نے اسے اور بھی شاندار بنا دیا ہے۔ لیکچر پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ آزاد اپنے حالات یوں بیان کرتے جاتے ہیں کہ جیسے سارا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے ہو اور وہ دیکھ دیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔ آزاد چھوٹے چھوٹے جملوں میں بات مکمل کر جاتے ہیں۔ خوبصورت تراکیب، استعاروں اور محاوروں کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے لیے خود بھی تراکیب وضع کر لیتے ہیں جیسے ماہیان شبگوں، آب آسیا وغیرہ۔

روزنامچے میں بعض جگہ انتہائی اختصار نظر آتا ہے اور ایک بات کا دوسری بات سے ربط واضح نہیں ہوتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ سامنے آتی ہے کہ آزاد نے خود اس سفرنامے کو ترتیب نہیں دیا۔ یہ معلومات تو ایک ڈھیر کی صورت میں نبیرہ آزاد آغا محمد طاہر کو ملیں اور انھوں نے جو معلومات تاریخ وار تھیں انھیں تاریخ سے ترتیب دے دیا مگر جن پر تاریخیں درج نہیں تھیں یا متن میں ان کا ربط نہیں مل رہا تھا انھیں روزنامچے کے آخر میں شامل کر دیا ہے جس کی وجہ سے روزنامچے میں بہت سی جگہوں پر ربط معلوم نہیں ہوتا۔ محمد حسین آزاد نے اپنے روزنامچے میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ حال یہاں کا جدا لکھا ہے مگر وہ اپنی زندگی میں ان معلومات کو جمع کر کے پیش نہ کر سکے۔ روزنامچے

کا کچھ حصہ اردو اور کچھ حصہ فارسی زبان میں ہے۔ تاریخ وار ترتیب کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہ کئی کئی دنوں کی تاریخیں موجود نہیں ہیں۔ تیئس ستمبر سے اس سفر کا آغاز ہوا۔ اکتوبر اور نومبر کے پورے مہینے کا روزنامچہ موجود ہے۔ اس کے بعد تاریخوں کا اندراج ہجری کیلنڈر کے مطابق کیا گیا ہے۔ دس دسمبر بمطابق یکم / دو ربیع الاول تک کی تاریخوں کے بعد بائیس جمادی الاول کا ذکر ہے اور اس کے درمیان کی تاریخوں کا روزنامچہ موجود نہیں۔ جمادی الثانی کے پورے مہینے کا روزنامچہ موجود ہے۔ اس کے بعد پانچ رجب آخری تاریخ ہے جس کا ذکر یہاں موجود ہے اور یہ اپریل کا مہینہ بنتا ہے۔ آزاد کا سفر جولائی ۱۸۸۶ء میں مکمل ہوا۔ پانچ رجب کے بعد سے جو متفرق معلومات روزنامچے میں شامل ہیں ان میں ربط نظر نہیں آتا۔ آزاد کی اردو اور فارسی متن میں بعض جگہ ایک ہی بات دوبار بھی سامنے آئی ہے جسے ایک بار اردو اور دوسری بار فارسی میں کہا گیا ہے۔ آزاد اگر خود اس سفر نامے کو ترتیب دیتے، جس کی خواہش کا اظہار خود بھی انھوں نے اس روزنامچے میں دو تین بار کیا ہے تو اور ہی دنیا ہوتی۔ آزاد کا اپنا سفر نامہ نہ سہی ان کے سفر کی یادگار ہی سہی جو آزاد کے سفر ایران کی معلومات کو سامنے لائی ہے۔ اگر آزاد خود ترتیب دیتے تو یقیناً روززنامچے کی مبہم عبارتوں کا مطلب واضح ہو جاتا۔

زیر نظر متن کی ترتیب و تدوین کے دوران لیکچر کے لیے چار نسخوں کا تقابل کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ رفیق ہند میں مطبوعہ آزاد کا لیکچر جو اکتیس جولائی ۱۸۸۶ء کو چھپا۔ حواشی میں اختلاف نسخ کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی علامت "نسخہ ر" رکھی ہے۔ یہ نسخہ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے فراہم کیا۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی(۴) موجودہ دور کے محقق، مدون اور دانش ور ہیں۔

۲۔ اخبار عام۔ اس میں آزاد کا لیکچر تین اقساط میں شائع ہوا۔ پہلا حصہ اٹھائیس جولائی ۱۸۸۶ء۔ دوسرا حصہ اکتیس جولائی ۱۸۸۶ء اور تیسرا حصہ چار اگست ۱۸۸۶ء کے اخبار میں چھپا۔ اس کے لیے علامت "نسخہ ا" رکھی ہے۔ یہ نسخہ بھی ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے عنایت کیا۔

۳۔ مقالات محمد حسین آزاد: جلد اول۔ یہ ۱۹۹۶ء میں چھپا۔ اس کے لیے علامت "نسخہ م" رکھی ہے۔

۴۔ سیر ایران۔ اس کے لیے علامت "نسخہ س" رکھی گئی ہے۔ یہ نسخہ ڈاکٹر نجیبہ عارف کے توسط سے ملا جو کہ نگران مقالہ بھی ہیں۔

ان میں بنیادی نسخہ رفیق ہند کے متن کو بنایا گیا ہے۔ باقی نسخوں سے اس کا تقابل کر کے اختلاف والے الفاظ اور عبارت پر حواشی لکھے گئے ہیں۔ حاشیے میں اختلاف نسخ کو واضح کیا گیا ہے اور حاشیے کے لیے اکی علامت رکھی ہے۔

مصنف کے اپنے حواشی جو متن میں موجود تھے، ان کے لیے گنتی ۱،۲،۳کا انتخاب کیا ہے اور مصنف کے حواشی پاورقی ہیں جبکہ محقق کے حواشی اختتام متن پر درج ہیں۔

روزنامچے کے کچھ حصے رسالہ ہمایوں میں چار اقساط میں شائع ہوئے ان کا تقابل سیر ایران کے متن سے کیا گیا ہے اور جہاں کہیں اختلاف نظر آیا ہے اسے حاشیے میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ ان کے اختلاف نسخ کو ظاہر کرنے کے لیے "نسخہ ہمایوں" علامت کے طور پر ظاہر کیا ہے۔ رسالہ ہمایوں کے چاروں شمارے عبد المجید کھوکھر لائبریری گوجرانوالہ سے دستیاب ہوئے۔

متن میں موجود وضاحتی مقامات پر تعلیقات لکھے گیے ہیں جو باب سوم حواشی و تعلیقات میں درج ہیں۔

حواشی کے لیے ۱ کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

مصنف کے حواشی جو کہ پاورقی ہیں، ان کے لیے گنتی ۱،۲،۳ لکھی گئی ہے۔

تعلیقات کے لیے (۱) کی علامت کا انتخاب کیا گیا ہے۔

متن میں جہاں کہیں () ایسے خطوط میں متن درج ہے وہ مصنف کے اپنے الفاظ ہیں۔

مدون نے اپنے الفاظ کے لیے دوران متن خطوط وحدانی [ ] کا استعمال کیا ہے۔

جہاں کسی لفظ کی تحقیق نہیں ہو سکی یا شعر کی تخریج ممکن نہیں ہو سکی وہاں خطوط وحدانی میں سوالیہ نشان [؟] بطور علامت لگائی گئی ہے۔

ترتیب و تدوین کے دوران جدید رموزِ اوقاف کا استعمال کیا گیا ہے۔

جہاں کہیں متن میں الفاظ کا مطلب واضح نہیں ہو رہا انھیں لغت میں دیکھ کر ان کی لفظی صورت اور معنوی سیاق و سباق کے اعتبار سے درست کر کے لکھ دیا گیا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا گیا ہے۔

جہاں مطلب واضح نہیں ہو پا رہا، خطوط وحدانی کا استعمال کر کے کذا لکھ دیا ہے۔

محمد حسین آزاد نے جس طرح اپنے جملوں کی نحوی ساخت رکھی ہے اسے بغیر کسی تبدیلی کے ویسے ہی لکھا گیا ہے۔

ترتیب و تدوین کے دوران جدید اردو املا کا اصول اپنایا گیا ہے۔

قدیم املا کو پہلی مرتبہ ویسا ہی لکھا ہے اور سامنے خطوط وحدانی میں اس کی درست املا لکھی گئی ہے اس کے بعد پورے متن میں صرف درست املا کو لکھا گیا ہے۔

املا میں یاے معروف اور یاے مجہول کے فرق کو روا رکھا گیا ہے۔

ملا کر لکھے گئے الفاظ کو علاحدہ علاحدہ کر کے لکھا گیا ہے جیسے اسے، سمجھکر، انسے، آپنے وغیرہ۔

ہائے مخلوط اور ہائے ملفوظ کا فرق واضح رکھا ہے۔

نون اور نون غنہ کے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

متن میں جہاں جہاں اسمائے معرفہ پر علامت تخلص کی طرح لگی ہوئی تھی اسے حذف کر دیا ہے۔

جن الفاظ کی فرہنگ بنائی ہے ان کے نیچے خط کھینچ دیا ہے اور فرہنگ میں وہ مطالب لکھے گئے ہیں جو متن کے سیاق و سباق کے مطابق ہیں۔ لغات کے مخففات کی وضاحت فرہنگ کے شروع میں کی ہے۔

متن میں ایک جگہ تین چار سطریں عربی زبان کی تھیں جن کا اردو ترجمہ حاشیے میں لکھ دیا گیا ہے اور یہ ترجمہ ڈاکٹر شیراز نے کیا جو اسلامی یونی ورسٹی میں اسسٹنٹ ایڈمن آفیسر، اردو ڈیپارٹمنٹ میں لیکچرار عربی اور عراق ایمبیسی میں بطور ترجمان (اردو سے عربی) اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ متن میں موجود فارسی حصے کا ترجمہ سید مہدی شاہ نے کیا جنھوں نے ایران سے ایم اے فارسی میں کیا اور تہران یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ۲۰۰۷ء میں حاصل کی۔ اسی سال لائبریرین کے طور پر کتاب خانہ گنج بخش میں آئے۔ ابھی آپ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں اور یہاں کے مجلہ دانش کے مدیر ہیں۔ متن کا فارسی سے اردو ترجمہ کرتے ہوئے جہاں کہیں خبط مطلب محسوس ہوا ہے وہاں انھوں نے قیاسی ترجمے سے کام لیا ہے۔ اس قیاسی ترجمے سے متن میں بعض جگہ ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ اس مشکل کو ڈاکٹر ایم سرفراز ظفر نے ترجمے کی تصحیح کر کے دور کیا ہے۔ آپ سابق صدر شعبہ فارسی نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز ہیں اور حال میں چین کی ایک دانشگاہ میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

حواشی

۱۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: جلد اول (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع دوم، ۲۰۰۶)، ص ۷۷۔

۲۔ اکرام چغتائی، مطالعہ آزاد (لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، طبع اول، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۳۔

۳۔ نند کشور وکرم، محمد حسین آزاد (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۸۲)، ص ۵۔

۴۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: جلد اول، ص ۷۸۔

۵۔ ایضاً ، ص ۸۱۔

۶۔ ایضاً، ص ۸۴۔

۷۔ محمد حسین آزاد، آب حیات مرتبہ ابرار عبد السلام (ملتان: بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی، ۲۰۰۶)، ص ۲۔

۸۔ اکرام چغتائی، مطالعہ آزاد، ص ۲۸۔

۹۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: جلد اول، ص ۸۹۔

۱۰۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: جلد اول، ص ۱۱۔

۱۱۔ آغا محمد اشرف۔ وسط ایشیا کی سیاحت(1959)، مشمولہ نقد آزاد مرتبہ ڈاکٹر سعادت سعید (لاہور: جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۱۰)، ص ۱۷۔

۱۲۔ اکرام چغتائی، مطالعہ آزاد، ص ۱۷۔

۱۳۔ نقوش شخصیات نمبر، ص ۱۴۔

۱۴۔ عارف نوشاہی۔ ذخیرہ آزاد کے مخطوطات۔ مشمولہ آزاد صدی مقالات مرتبین تحسین فراقی، ناصر عباس نیر (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۲۰۱۰)، ص ۳۹۰۔

۱۵۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: جلد اول، ص ۳۳۴۔

۱۶۔ سید جالب دہلوی، مکتوبات آزاد (لاہور: مرغوب ایجنسی، طبع دوم، ۱۹۰۷)، ص ۷، ۶۔

۱۷۔ محمد حسین آزاد، سیر ایران، مرتبہ آغا محمد طاہر، (لاہور: کریمی پریس)، ص ۲۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۹۔

۱۹۔ محمد حسین آزاد، روزنامچہ مشمولہ رسالہ ہمایوں، (مئی ۱۹۲۲ء)، ص ۲۔

ترتیب وتدوین متن

سیر ایران

لیکچر

جناب مولوی محمد حسین صاحب آزاد

سیاحتِ ایران پر

شرفائے قوم!

بندہ آزاد خیر مقدم کہتا ہے آپ صاحبوں کو جو اس جلسہ میں تشریف لائے اور سلامت باشید کہتا ہے اُن اخباروں کو جنھوں نے مراجعتِ سفر پر مبارک باد دی۔ آپ نے میری مختصر سیاحت کو حب الوطن کا جوش سمجھ کر اتنا بڑھایا اور چڑھایا اور میں کوتاہی خدمت پر شرمسار دیکھ رہا ہوں۔

بات فقط اتنی ہے کہ بڑھاپے نے عصائے پیری کے اشارہ سے جوان ہمتوں کو میدان دکھایا ہے یعنی میں دوڑ نہیں سکتا۔ تم دوڑو کہ کامیابی کی منزلیں قدم قدم پر موجود ہیں۔

سرمایہ خدمت فقط اتنا ہے کہ لاہور سے آتش فشاں اژدہے پر سوار ہو کر فرشِ خاک کو لپیٹا۔ دو دن اور رات میں کراچی جا اُترا۔ وہاں سے نہنگ دخانی پر بیٹھ کر سطح آب کو طے کیا اور دسویں دن بوشہر(۵) میں جا پہنچا[۲]۔ جہاز میں دورانِ سر اور برہمی طبع کی طرف سے بڑا اندیشہ تھا کہ صفراوی مزاج ہوں۔[۳] مگر شکر خدا کہ معلوم بھی نہ ہوا۔ بڑا سبب اس کا یہ ہے کہ شوقِ سفر اور سواری جہاز کے ذوق سے دل ایسا لبریز تھا کہ جب جہاز چند میل نکل گیا تب یاد آیا کہ خلل ہائے مذکورہ کا اثر مجھ پر ہے یا نہیں؟ اُس وقت خیال کیا تو کچھ بھی نہ تھا۔

بوشہر برائے نام ملک غیر ہے۔ کارداران[۴] ایرانی ہمارے ساتھ اپنوں سے بہت زیادہ رعایت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ مجھے یہاں سب سے پہلے نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے تھے۔ فارسی بولتے تھے جیسے ہزار داستان اور اِس خوش ادائی سے بات کو ادا کرتے تھے کہ میں منہ دیکھتا رہ جاتا تھا۔ بوشہر ایک گرم مقام ہے۔ کھجوروں کی بہتات تھی۔ اناروں کا موسم تھا مگر اس کثرت کے ساتھ نہ تھے۔ اور ویسے لطافت اور آبداری بھی

کم تھی۔ آٹھ دن کے انتظار کے بعد ایک ایرانی راہوار پر بیٹھ کر کاروان (۶)میں روانہ ہوا۔ ۹ دن تک کچھ پہاڑ کچھ میدان لپیٹ سپیٹ شیراز میں جا اُترا۔ [۵]

شیراز (۷) کے دیکھنے کا ارمان تھا۔ ایک عمر کے بعد خدا نے پورا کیا۔ اللہ اللہ خواجہ حافظ (۸) اور شیخ سعدی (۹) کا پیارا وطن جس پر وہ لوگ تعریفوں اور دعاؤں کے پھول چڑھائیں، اس کے دیکھنے کا ارمان کیوں نہ ہو۔ میں نے دیکھا اور تعجب کے ساتھ دیکھا کیوں کہ جس شیراز پر نورانی بزرگوں نے نور برسائے تھے اُس کی رونق و آبادی اُن کے ساتھ ہی رحلت کر گئی۔ اب بڑی بڑی وسیع اور بلند پرانی مسجدیں اور کہنہ مدرسے گرے پڑے کھڑے [۶] ہیں اور بنانے والوں کی ہمتوں پر دلائل پیش کر رہے ہیں۔ اُن میں نوجوان لڑکے صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول کی کتابیں سامنے رکھے بے مدد کتاب کے مسائلِ کتابی پر بحث کرتے ہیں۔ علما کتب علمیہ کی تدریس سے پرانی ہڈیوں پر آبِ حیات چھڑکتے ہیں۔ یہ بات جتانے کے قابل ہے کہ وہاں ہندوستان کی طرح طلبا فقرہ بہ فقرہ سبق نہیں پڑھتے۔ استاد کتاب سامنے رکھے بیٹھا ہے۔ طلبا اپنی کتاب کھولے خاموش بیٹھے ہیں۔ استاد کتاب کو دیکھتا ہے اور اُس کے مطالب کو نہایت توضیح اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتا جاتا ہے۔ [۷] طلبا سنتے جاتے ہیں۔ جتنی جس کے دامن میں وسعت ہو پھل پھول بھر لے۔ غرض شہر شیراز کا اب یہ حال ہے کہ وہ عالی شان اور سیدھا بازار اور بلند اور فراخ مسجد جو کریم خان ژند [۸] (۱۰) نے سو برس پہلے بنائی ہے اگر وہاں سے اٹھالیں تو اصل شیراز ایک معمولی قصبہ رہ جاتا ہے۔ چند سال ہوئے مشیر الملک نے بھی رفیع الشان مسجد اور کارواں سرائے سے پرانے شہر کو نیا کیا ہے۔

نواب مرزا علی خان صدر ایک امیر خاندانی کی زندگانی شیراز کے لیے سرمایہ آبادانی ہے اور اُن کی مہمان نوازی اُس پاک مٹّی کے لیے قدیمی قبالہ [۹] ہے۔ مجھے بھی دو دن مہمان رکھا۔ باوجود دست گاہ امارت اور پیرانہ سالی کے جب دیکھو گرد کتابیں چنی ہیں۔ ایک دوُ ملاّ پاس بیٹھے ہیں۔ بیچ میں آپ مطالعہ میں مصروف ہیں، تصحیح کرتے ہیں، حواشی لکھتے ہیں۔ ایک خوش نویس کاتب ناقص کتابوں کی تکمیل کر رہا ہے۔ مصور نقاشی کر رہا ہے۔ کھانے کا وقت ہوا۔ وہیں پہلو میں دستر خوان بچھا۔ اُٹھے پہلے سجدۂ شکرانہ بجالائے۔ ایک روٹی کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ پھر سب کے ساتھ کھانا کھایا۔ یہ بھی گویا ایک فرض تھا کہ ادا کر لیا۔ پھر کتابوں کے حلقے میں جا بیٹھے۔

اِن کے والد مرحوم کی تصنیفات سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں ہیں۔ بعض اِن میں سے میں نے بازار سے خریدیں۔ ان میں سے اِس رسالہ کا پیش کرنا واجب ہے جو کہ انھوں نے حرکت زمین کے اثبات میں لکھا تھا۔ [۱۰]

نواب ممدوح نے خود اِس کی نقل مجھے عنایت فرمائی ہے۔ آج سے چالیس برس پہلے ایشائی تعلیم میں ایسے خیالات کا پیدا کرنا خاکِ پارس کی پاکیزگی کی دلیل ہے۔

اِسی سلسلہ میں حکیم حاذق حاجی مرزا حسن کا ذکر بھی واجب ہے۔ اُنھوں نے ایک مُفصّل تاریخ شیراز کی لکھ کر پارس نامہ نام رکھا ہے اور ان کا علو خاندان مجھے کتابوں سے حد ثبوت کو پہنچا ہوا معلوم ہوا ہے۔[11] ساتویں پشت میں خواجہ شاہ منصور اور چوتھی پشت میں سید علی خان بلاغت کی اولاد ہیں۔ سید علی خان کی تصنیفات شہرہ آفاق ہیں۔ اِن کی تفصیل اپنے سفر نامہ کے لیے امانت رکھتا ہوں۔ حکیم صاحب خبر سن کر نواب صدر کے ہاں آئے۔[12] باوجود یہ کہ میری روانگی میں ایک شب باقی تھی، شام ہو گئی تھی، بوندیں پڑ رہی تھیں۔ بااصرار اجازت لے کر اپنے گھر لے گئے۔ رات بھر اپنی کتاب سناتے رہے، مطالب پر مشورہ کرتے رہے۔ میری کتابِ یادداشت نے بھی اُس کے اکثر مطالب سے سرمایہ حاصل کیا۔ یہ اہلِ ایران میں عام دستور ہے کہ ہر اشراف سفید پوش کے مکان کے ساتھ ایک مردانہ مکان ہوتا ہے۔ وہ حرم سرا سے زیادہ آراستہ ہوتا ہے اور ضروریات کے سامان موجود ہوتے ہیں۔ اکثر ہوتا ہے کہ موافق طبع دوست صبح ملاقات کو آیا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر رخصت ہوا۔ یارات کو رہا صبح ناشتا کر کے رخصت ہوا۔

شیراز کے لوگ اب تک لباس و اوضاع میں اپنے بزرگوں کی تصویر ہیں۔ علما اور ثقہ لوگ عمامہ باندھتے ہیں۔ عبا پہنتے ہیں۔ خاندانی ترک کلاہ پوست برہ کی پہنتے ہیں۔ طہران [تہران] کے اوضاعِ جدید ابھی تک وہاں لذیذ نہیں ہوئے۔[13]

شیراز میں چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بکتی دیکھیں کہ ان سے لوگ سر اور ڈاڑھیاں دھوتے تھے۔ وہ ایک قسم کی مٹی ہے جس کی کان شہر کے پاس ہے۔ اِس میں خوشبو کے اُٹھانے کی قدرتی تاثیر ہے۔ اُسے پھولوں میں بسا کر صاف کرتے ہیں اور ٹکیاں بنا کر بیچتے ہیں۔ شہروں میں تحفہ لے جاتے ہیں گل گُل اس کا نام ہے۔ مُجھے گلستاں[14] کا سبق یاد آیا۔

گلے خوشبوئے در حمّام روزے[15]

جن دنوں ہم نے پڑھا تھا تو خدا جانے کیا سمجھے تھے۔ پھر ایک خیالِ شاعرانہ سمجھتے رہے۔[16] اَب معلوم ہوا کہ شیراز کا اصلی تحفہ ہے۔ جاڑے کا موسم کوہ کوہ برف لیے سر پر چلا آتا تھا۔[17] بڑھاپے نے خوف کے لحاف میں دبک کر کہا کہ شیراز تو دیکھ لیا، اب اصفہان کو دیکھو اور آگے بڑھو کہ تلاش کی منزل ابھی دور ہے۔ شیراز کے

دوست بہت روکتے اور رستے کے جاڑے سے ڈراتے رہے مگر جب کاروان چلا، مجھے اشتیاق نے اٹھا کر کجاوہ[کجاوہ][۸ل] میں بٹھا دیا۔ چار چار پانچ پانچ کوس پر شاہ عباسی سرائیں آباد موجود تھیں جن کی پختگی اور وسعت قلعوں کو ٹکر مارتی تھی۔ ان سراؤں میں مسافر اگر روپیہ رکھتا ہو تو خاطر خواہ سامان آسائش کا ملتا ہے۔ چار پانچ آنے کو مرغ اور پیسے کے دو دو انڈے۔ ہر قسم کے تر و خشک میوے نہایت اعلیٰ اور نہایت ارزاں ملتے ہیں۔ رستہ آبِ رواں سے سبز اور آبادیوں سے معمور تھا۔ جہاں منزل کرتا، گاؤں میں جا کر پوچھتا اور جو اہلِ علم[۹ل] ہوتا اُس سے ملاقات کرتا۔

چھوٹی سے چھوٹی آبادی میں بھی آیا۔ ایک دو عالم اور بعضے صاحبِ اجتہاد ہوتے تھے۔ اُن کی حالت دیکھ کر تعجب آتا تھا۔ مثلاً کھیت سے گائے کے لیے گھاس کندھے پر لیے آتے ہیں یا نہر پر کپڑے دھو رہے ہیں، لڑکا گھر کی دیوار چُن رہا ہے، جب فارغ ہوئے تو اُسے شرح لمعہ (۱۱) یا قوانین الاصول (۱۲) کا سبق پڑھانے لگے۔ جب اُن سے پوچھتا کہ کسی شہر میں جا کر ترویجِ علم کیوں نہیں کرتے کہ رواجِ کار بھی ہو تو کہتے کہ وہاں خلوت کا لطف نہیں رہتا۔ حضور[۱۰ل] قلب میں خلل آتا ہے۔ دنیا چند روز ہے۔ گزار دیں گے اور گزر جائیں گے۔ یہ علمی روشنی کل مملکتِ ایران میں عام ہے کہ شاہانِ سلف کی پھیلائی ہوئی ہے۔ میں اُن سے کہتا تھا کہ ہماری تمہاری تو جس طرح گزری گزر گئی۔ لڑکوں کو تہران بھیجو اور دارالفنون (۱۳) پڑھواؤ کہ زمانے کی ہوا پھر گئی ہے۔ اکثر ہنس دیتے اور میرے ساتھ ہم داستان ہو کر کہتے۔ انھی کو کہو کہ اِن کا معاملہ ہے۔ بعضے بحثنے لگتے اور آخر اتفاقِ رائے کرتے تھے۔

میرے پاس کھانے پکانے کا سامان نہ تھا۔ وہیں بیٹھ کر کسی گھر سے روٹی مول لیتا۔ کہیں سے انڈے کہیں سے گھی۔ اشکنہ یعنی انڈوں کا قلیہ پکاتا، اس میں روٹی ڈبوتا، کھاتا اور شکرِ الٰہی بجالاتا۔ اس میں بہت باتوں اور تحقیقاتوں کے موقع ملتے تھے اور وہ لوگ اِن کاموں میں میری مدد کرنی مہمان نوازی کا جُز سمجھتے تھے جو کہ حقیقت میں فرضِ مذہبی[۱۱ل] ہے۔ غرض بارہ دن کے بعد اصفہان (۱۴) میں جا اُترا۔ شہر سے پہلے تخت فولاد کا میدان سامنے آیا۔ یہاں ہزاروں بزرگانِ دین اور سترگانِ دنیا کے اجسامِ بے ارواح نے شہر خاموشاں بسایا ہے۔ میر باقر داماد علیہ الرحمۃ (۱۵) صاحبِ حکمت یمانیہ نے خاک پر سو کر نام کو زندہ کیا ہے۔ جمعرات کا دن تھا۔ صدہا زن و مرد قبروں پر فاتحہ پڑھنے آئے تھے۔ رفتہ رفتہ دروازہ شہر نمودار ہوا اور ایک وسیع سڑک سامنے آئی جسے سفید دیو داروں کی بلند قطاروں اور سر بفلک چناروں اور دو نہروں نے پانچ متوازی خیابانوں میں تقسیم کیا ہے۔ بے اختیار زبان سے نکلا کہ زہے سلاطین صفویہ (۱۶) بادشاہی ہو تو ایسی ہو۔

خیابان مذکور میں کئی میل چل کر وہ دریائے وسیع آیا جسے زندہ رود کہتے ہیں۔ اصفہان کا تمام علاقہ اس سے زندہ ہے۔ یہاں کتابوں میں اِس کا نام پڑھ کر مزے لیا کرتا تھا۔ اَب دیکھا۔ باوجود یہ کہ انگریزی پُلوں کو دیکھ کر اب کوئی پل نظر میں نہیں جچتا پھر بھی اِس کا پُل دیکھنے کے قابل ہے۔ شہر اصفہان کی وسعت فی الحقیقت بہت فراخ ہے۔ اِس نے فارسی مبالغہ کو درست موقع دیا کہ شعرا نے کہا:

جہان را اگر اصفہانے نبود
جہان آفرین را جہانے نبود[۲۲]

دوسرے نے کہا:

اصفہان نیمۂ جہان گفتند
نیمۂ وصف اصفہان گفتند[۲۳]

یہ شہر سلاطین صفویہ کی ہمتوں کا عجائب خانہ ہے۔ عمارات عالی شان کا حال کیا کہوں۔ صبح سے شام تک پھرتا تھا۔ رات کو آکر بستر پر گر پڑتا تھا۔ ملا باقر مجلسی علیہ الرحمۃ (۱۷) کی قبر پر گیا۔ مسجد جامع کے گوشہ میں ایک الگ مکان ہے۔ اس میں باپ بیٹے برابر پڑے سوتے ہیں۔ دو مُلّا قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ [۲۴] اِن کی قبروں کے کتابے [کتبے] بڑی مشکل سے لکھے۔ یہ جگہ مہینوں رہنے کی تھی۔ مگر جاڑے کے ڈر نے پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھیرنے دیا۔ مجھے بھی یہ خیال تھا کہ چلے چلو۔ تہران میں چل کر ڈیرے ڈالیں گے۔

اصفہان سے آٹھ منزل چل کر کاشان (۱۸) میں پہنچا۔ مخمل بافوں کی صنعت اب تک اس کے نام کو چمکاتی ہے۔ فاضل رحمانی ملا محسن کاشانی علیہ الرحمۃ کا مزار اب تک مرجع خاص وعام ہے۔ تین دن یہاں رہا۔ چوتھے دن شہر قُم (۱۹) میں پہنچا۔ یہاں سلطان دنیا و دیں امام ہشتمیں علی ابنِ موسیٰ رضا کی ہمشیرہ کا مزارِ مقدس ہے اور دن رات دربار شاہانہ لگا ہوا ہے۔ کئی عالم نامی و گرامی موجود ہیں۔ شیخ ابنِ بابَویہ قمی علیہ الرحمۃ (۲۰) یہاں مدفون ہیں۔ دن بھر میں کئی دفعہ اُن کی قبر پر جا کر بیٹھتا اور برکت حاصل کرتا تھا۔ قبر کے سرہانے کی سطح پر وہ توقیع (فرمان) چینی کے حرفوں میں منقوش ہے جو حضرت صاحب الزمان کی طرف سے اِنھیں آیا تھا۔ میں نے اُس کی نقل بڑی احتیاط سے لکھی ہے۔ یہاں تین بزرگ اور مدفون ہیں جو سفر طوس امام علیہ السلام کے ہم رکاب تھے اور اکثر ہم پلہ کجاوہ[۲۵] میں ہوتے تھے۔ اِن کی قبروں کے کتبے بھی نقل کر کے لایا ہوں۔ محمد شاہ، شاہِ حال کے والد اور فتح علی شاہ دادا یہاں مدفون ہیں۔ اِن کی قبروں پر اِن کی تصویریں عمدہ دستکاری کے ساتھ منقوش ہیں۔

اصفہان سے پندرہ منزلیں طے کر کے تہران میں داخل ہوا۔ لوگ اسے دارالخلافہ ایران کہتے ہیں لیکن حقیقت میں شاہ کی برکت ہمّت سے آج علوم وفنون، تہذیب اور دولت واقبال کا دار الخلافہ ہے۔ تفصیل اِس کی سفر نامہ کے حوالے کر کے مختصر کرتا ہوں کہ پہلے اصفہان اور قزدین [قزوین](۲۱) شاہ نشین دار الخلافے تھے۔ فتح علی شاہ نے مصالح ملکی پر نظر کر کے کوہ دماوند کے دامن میں شہر آباد کیا اور اِسے دار الخلافہ قرار دیا۔ اس کی آبادی کی عمر سو برس سے زیادہ نہیں۔ شہرِ رَے قدیمی شہر اس کے پہلو میں تین چار میل کے فاصلہ پر ویران پڑا ہے۔ تہران کے بازار پٹے ہوئے اور مسجدیں اور عالی شان مدرسے بھی قدیمی شہروں کی طرز پر تعمیر ہیں۔ شاہ جم جاہ نے جو سفر یورپ سے آ کر ملک و مملکت[۲۶] میں روشنی پھیلائی ہے تو شہر کے باہر قصر عالی شان بنا کر شمس العمارۃ نام رکھا ہے۔ اس کے پہلو میں مدرسہ دارالفنون بنایا ہے جسے یونی ورسٹی کہنا چاہیے۔ عمارت کی وضع بھی انگریزی طرز پر ہے۔ اس میں فرنچ، انگریز اور روس کے مُدرّس زبانیں اور علوم وفنون سکھاتے ہیں اور ایران کے نئے تعلیم یافتہ بھی مُدرّس ہو گئے ہیں۔ مکانِ مذکور کے پہلو میں دار التصنیف، دار الترجمہ، دار الطباعہ (مطبع) دار العدالت وغیرہ ہیں۔ اِس کے برابر میدان نظام (قواعد فوج) ہے وہاں سے چار طرف وسیع سڑکیں کوسوں چلی جاتی ہیں۔ دو طرف کی سڑکوں پر کھلے (بے سقف) بازار ہیں۔ دونوں طرف یکساں دُکانیں اور چھوٹی چھوٹی کوٹھیاں سوداگروں اور ہنرمندوں کی ہیں۔ ان میں ایران اور یورپ کے لوگ آباد ہیں اور سڑک پر ایرانی اُمرا گھوڑے اور نگ رنگ کی بگیاں دوڑاتے پھرتے ہیں۔

مجھے اس سفر میں بڑی غرض کتابوں کی تلاش تھی اور اس سے زیادہ یہ کہ جامع لغاتِ فارسی(۲۲) کے لیے سرمایہ جمع کروں اِس لیے جاتے ہی مطلب کے ٹھکانے ڈھونڈنے شروع کیے۔ خوش نصیبی نے پہلے شہزادۂ آزادہ معتمد الدولہ نواب فرہاد مرزا کی حضور میں پُہنچایا۔ یہ صاحبِ علم، صاحبِ فضل، صاحبِ ہمت، حکومت کے تجربہ کار، شاہزادہ روزگار، نائب السلطنت عباس مرزا کے خلف الرشید، فتح علی شاہ جنت مکان کے پوتے، چچا شاہ جم جاہ کے ہیں۔ وہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ دین دار اور نہایت پرہیز گار ہیں۔ باوجود اس کے خوش مزاج، خندہ جبین، نورانی صورت حاکمانہ درباروں اور عالمانہ جلسوں کو خوش طبعی کے ساتھ گلزار کرتے ہیں۔ میں اِن کے علمی درباروں میں ہمیشہ حسب الارشاد حاضر ہوتا تھا۔ رخصت کے وقت ایک تصویر بھی عنایت فرمائی اور دو دو نسخے کتابوں کے دیے جو خود تصنیف کی تھیں یا فرمائش و تصحیح سے چھپوائی تھیں، فرمایا کہ کتب خانہ آزاد میں یادگار رکھنا۔ اگرچہ بڑھاپے اور دماغی محنتوں نے انھیں نہایت ضعیف کر دیا ہے اس پر بھی ہمیشہ تصنیف جاری ہے، کئی عالم نوکر ہیں۔ وہ بھی علمی کاموں میں مصروف ہیں۔ شاہ کے دربار میں جو مُقدّمہ کہ علم سے متعلق ہوتا ہے یا سلطنت کا پیچیدہ معاملہ ہوتا ہے ان

کی صلاح سے طے ہوتا ہے۔ ان کا کتب خانہ تمام ایران میں لاثانی مشہور ہے۔ ان کے بڑے صاحبزادے آنکھوں کے علاج کے لیے ولایت پروشیہ [جرمنی] میں گئے ہوئے تھے۔ چھوٹے یعنی احتشام الملک عبد العلی میرزا موجود تھے۔ تقریباً پچیس چھبیس برس کی عمر میں فاضل کامل ہیں مگر علمِ الہیات کا بہت شوق ہے۔ دو دفعہ شرح اشارات پڑھا چکے ہیں۔ فرنچ زبان خوب بولتے ہیں اور اِنھی کے ذریعہ سے یورپ کے علومِ جدیدہ حاصل کیے ہیں۔ نظم[۲۷] سخن کا کمال شوق ہے۔ طرزِ قدیم میں کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ میرے حال پر دلی شفقت سے مرحمت فرماتے تھے اور حصولِ مقاصد میں مدد کرتے تھے۔ ان سے بھی تحقیقِ الفاظ میں بہت فوائد حاصل کیے۔ شاہ زادہ نورانی کی وساطت سے اکثر علما کی ملاقات اور اُمرا سے ملازمت حاصل کی۔ خصوصاً امیر خاندانی نواب مخبر الدولہ[1] وزیر تعلیم، اِن کے والد مرحوم رضا قلی خان للہ باشی(۲۳) اکثر شاہزادوں کے اتالیق تھے۔ انجمن آرائے فارسی ایک جامع کتاب لغات فارسی میں، تذکرہ فصحائے فارس کا فن سخن میں[۲۸]، روضۃ الصفائے ناصری تاریخ میں لکھی ہے۔ یہ ایک ایک ضخیم کتاب کارنامہ اپنے اپنے فن کا ہے اور چھوٹی کتابوں کی تفصیل دیباچہ تذکرۃ الفصحا سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مخبر الدولہ بہادر کے چار فرزند ہیں۔ ایسے سعادت مند کہ خدا بیٹے دے تو ایسے دے۔ چاروں نے علومِ مغربی سے دماغ روشن کیے ہیں۔ کوئی پیرس سے ڈگری حاصل کر کے آیا ہے۔ کوئی برلن سے وغیرہ وغیرہ۔ بڑا بیٹا سررشتہ ٹیلی گراف کا ڈائرکٹر ہے۔ حقیقی بھائی اِن کا مدرسہ دار الفنون کا پرنسپل ہے۔ سب بامروت، با محبت، صاحبِ ہمت۔ تین مہینے تہران میں رہا۔ روز ان کے پاس پُہنچتا تھا اور تحقیقِ الفاظ اور کتابوں کا فیض حاصل کرتا تھا۔ یہ امیر زادے باوجود دستگاہِ امارت اور عمرِ جوانی کے ڈکشنریاں لے کر بیٹھتے تھے اور میرے کام میں اس محبت سے توجہ فرماتے تھے گویا اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ ان کی محبت اور عنایت کی فہرست کہاں تک پڑھوں۔ جس وقت چلنے لگا تو ایک حکم نامہ عام لکھ دیا کہ جس مقام میں کوئی ضرورت پیش آئے تلگراف خانہ میں جانا اسے دکھانا۔ اگر وہاں سرانجام نہ ہو سکے تو ہمیں تار دینا اور ہر جگہ سے اپنی خیر وعافیت کی خبر دیتے جانا۔

تہران میں مانک جی صاحب ایک پارسی صاحبِ تحقیق، بامروت، بادیانت ہیں[۲۹]۔ انھوں نے قوم کی حمایت اور اعانت کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے۔ شہرہائے ایران اور بلادِ ہندوستان میں جہاں پارسی ہیں اور اِن کے کام دربارِ ایران سے

---

[1] نواب موصوف کے ایک بھائی مرزا محمد تقی خان ہیں۔ صاحبِ علم۔ صاحبِ آگاہی۔ ان کی تالیف کا شوق دستور العمل لینے کے لائق ہے۔ اور مروت اور محبت ان کی پرستش کے لیے زیبا ہے۔ سات بجے سے لے کر پانچ بجے تک جب جا کر دیکھو اِس طرح کام میں مصروف ہیں کہ بات کرنے کی فرصت نہیں۔ مجھ سے دلی محبت رکھتے تھے۔

متعلق ہوتے ہیں، یہ ان کے متکفل ہیں اور آپس کی تکراروں میں بھی ان کی بات ہمیشہ تسلیم کی جاتی ہے۔ ان کا ایک معقول دفتر ہے۔ اور دو منشی نوکر ہیں۔ تصنیف بھی کچھ نہ کچھ چلی جاتی ہے۔ شاہ کی کمال مرحمت اِن کے حال پر مبذول ہے۔ میں اِن سے اکثر ملتا تھا اور فوائد علمی حاصل کرتا تھا۔ اُنھوں نے میری محنت اور شوقِ تحقیق کی حد سے زیادہ قدر دانی کی۔ ایک سپاس نامہ دیا جسے میں اپنے لیے فخر کا قبالہ سمجھتا ہوں۔ وہ ضروریاتِ مسافرت میں بھی اکثر مدد کرتے رہے۔ بازار میں جس اشرفی کے تیرہ قران ملتے تھے۔ وہ پارسی بھائیوں کے پاس بھیج دیتے سترہ قران آجاتے۔ سو روپیہ کے نوٹ پر بازار میں دس قران بٹّا لگتا وہ پانچ قران بٹّا پر بکوا دیتے۔

مرزا رضا خان ہگشلو سے ملاقات ہوئی۔ دبیرانِ دبیر ان کا خطاب ہے اور دولتِ ایران کی طرف سے اسلامبول [استنبول] میں سر ترجمان ہیں۔ انھیں لغاتِ فارسی پر عبورِ کامل ہے۔ فرنچ اور ترکی بھی خوب جانتے ہیں۔ کوشش کر رہے ہیں کہ فارس میں فارسی خالص کا رواج عام ہو جائے۔ کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن اِن کی کوشش میری رائے ناقص سے ایک جُز میں اختلاف کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آج ہی سب کو مُستعد ہونا چاہیے کہ عربی لفظوں کو زبانوں سے کھُرچ ڈالیں اور فارسی قدیم کو جاری کر دیں۔ میں نے کہا کہ علما کا فرقہ بالکل مخالف ہمارا ہے اور پبلک [عوام] نے ابھی ہمارے مطلب کو نہیں سمجھا۔ اگر دفعتاً کُل تصنیفات اور عام کارروائی اس پابندی کے ساتھ جاری ہوئی تو پبلک گھبرا جائے گی اور حق بجانب اُن کے ہو گا کیونکہ صدہا لفظ فارسی کے ہیں کہ زبان سے بالکل محو ہو گئے ہیں۔ اُن کی جگہ الفاظِ عربی کارروائی کر رہے ہیں۔ ہزاروں کے لیے لفظ فارسی ہیں مگر مستعمل نہیں۔ ہر شخص ادنٰی ادنٰی کام میں لفظ لفظ کے لیے ڈکشنری سے مدد لے، یہ ناممکن ہے۔ نہ دیکھیں تو کام بند۔ ایسی حالت میں علما کہ قوی رقیب ہمارے ہیں، فتح یاب ہو جائیں گے اور ہمارے کام میں خللِ عظیم واقع ہو گا۔

میری رائے ناقص یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے الفاظ عربی کی جگہ فارسی الفاظ رکھو اور وہ رکھو جو خاص و عام کے کانوں کو اب بھی مانوس ہیں۔ جس عربی لفظ کی جگہ اصل لفظ فارسی کا نہ ملے وہاں فی الحال عربی رہنے دو یا مطلب کو کسی اور پہلو سے فارسی کے مانوس لفظوں میں ادا کر دو۔ جب اہلِ ملک کو ہمارے ارادے کی مصلحت معلوم ہو گی اور حُبّ الوطن کی گرمی دلوں میں دوڑ جائے گی تو سب خود بخود ہمارے ارادہ پر متفق ہو جائیں گے۔ ہمیں اس مصلحت کے پھیلانے میں اخباروں سے بھی مدد لینی چاہیے اور شاہ کی عالی پیش گاہ میں بھی اس عرض کو پُہنچانا چاہیے کیونکہ دار التصنیف شاہی میں بھی طرزِ عبارت کی اصلاح پر نظر ہے۔ اِس کے جواب میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم کو اپنے

کام میں بالاستقلال[باستقلال] مصروف ہونا چاہیے۔ خواہ کوئی مانے خواہ نہ مانے۔ الف بائے بہروزی اور پرَوَز (اصل) اپنے دور سالے اِنھوں نے کتب خانہ آزاد کے لیے مرحمت فرمائے۔

تہران بلکہ تمام ایران میں کوئی شاعر بالاستقلال نہیں جو اس فن کا نشان گاڑ کر بیٹھا ہو اور یہ سند ہے اس امر کی کہ جس قدر تہذیب بڑھتی ہے شاعری گھٹتی ہے۔ لسان الملک (مصنف ناسخ التواریخ[۳۰])(۲۴) کے بیٹے قصیدہ خوب کہتے ہیں۔ اصول و فروع سے باخبر، عربی و فارسی کے لوازمات سے آگاہ، طبیعت موزون و مناسب اور کلام نہایت زبردست ہے مگر برسوں میں جب دل چاہتا ہے کوئی قصیدہ لکھ لیتے ہیں۔[۳۱] نثر بھی خوب لکھتے ہیں مگر وہی طرزِ قدیم میں الفاظِ عربی سے لغت بازی اور لفاظی کرتے ہیں۔ غالباً یہی سبب ہو گا کہ دار الترجمہ اور دار التصنیف میں شامل نہیں۔ باپ کا وظیفہ پاتے ہیں۔ ناسخ التواریخ کی تکمیل کرتے ہیں اور جو اپنی طبیعت صلاح دیتی ہے لکھے جاتے ہیں۔

مرزا فروغی(۲۵) دارالترجمہ کے سر ترجمان، فرنچ زبان میں ماہر ہیں۔ قصیدہ اور غزل دونو[کذا] خوب کہتے ہیں مگر بالاستقلال اس کام کو لے کر نہیں بیٹھتے۔ سبب کیا؟ وہی نکتہ کہ شاہ، دربار شاہ اور جو اہلِ فہم ہیں تہذیب سے اثر پذیر ہو کر علوم و فنون کے خواہاں ہو گئے ہیں پھر کس کی امید پر شاعری سے نکاح کر کے بیٹھیں۔ مرزا مشتری مشہدی تہران میں موجود ہیں۔ فصیح شاعر ہیں۔ زبانِ عربی میں پوری مہارت نہیں رکھتے اور علوم میں بھی وہ رتبہ نہیں۔ قصیدہ اور غزل کم کہتے ہیں۔ ہجو اور ہزل پر طبیعت زیادہ مائل ہے۔ خوش طبع، خوش صحبت، شگفتہ مزاج۔ یہ ساری خوشیاں بعض اُمرا کی قدر دانی سے نبھی جاتی ہیں نہیں تو اللہ ہی اللہ ہے۔

مجھے تہران میں ٹھیرنے کی بڑی ضرورتیں دو تھیں۔ اول کتابیں دوسرے تحقیقاتِ الفاظ اور ان کاموں کے لیے جس قدر توقف ہو تھوڑا تھا۔ شوق کی پیاس کسی طرح نہ بجھتی تھی۔ جاڑے کا موسم اور بیماری اس توقف کے لیے خوب مددگار ہوئے۔ تین مہینے بڑی کوشش سے کام میں مصروف رہا۔ جب بڑا اور چھوٹا دونوں چلے گزر گئے تو میں گھبرایا کہ رخصت تھوڑی رہ گئی اور رخصت بھی ہو تو اڑھائی روپیہ روز کٹ رہا ہے۔ آخر جب سب سے اخیر برف پڑ چکی[۳۲] تو میں شوق کا زادِ راہ اور عقیدت کا کاروان باندھ کر مشہد مُقدّس کو روانہ ہوا۔ چھ منزل چل کر شہر سمنان میں پُہنچا۔ کتابوں میں دیکھا تھا کہ شعر سلمان اور انار سمنان یہاں کا تحفہ ہے[۳۳] اور ہندوستان میں اپنے مُحقّق اور معتبر دوستوں سے سنا ہوا تھا کہ مرزا یغما(۲۶)، جس کی تحقیقِ زبان اور زورِ طبیعت کا چند سال پہلے جواب نہ تھا، اُس کا ایک گھر

سمنان میں بھی ہے، شہر میں جاکر دریافت کیا، معلوم ہوا کہ چھوٹا اور منجھلا بیٹا زندہ موجود ہیں۔ دیکھا تو دونوں ایک دوکان میں بیٹھے برنجی حقے گھڑ رہے ہیں اور چلمیں چرخ پر اُتارتے ہیں۔ بہت افسوس کیا

؎ میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز[۲۴]

میں نے سُنا ہوا تھا کہ مرزا مرحوم نے ایک کتاب فنِ لغت میں بھی لکھنی شروع کی تھی۔ دریافت کیا۔ لڑکوں بے چاروں کو کیا معلوم۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ تو ہمارے بڑے بھائی کی تصنیف تھی۔ مجھے زیادہ افسوس آیا اور کہا خیر باپ کے مال پر بیٹے نے تصرف کیا تو باپ کی خوش نصیبی بہ شرطیکہ لیاقت کے ساتھ ہو۔

پانچویں دن دامغان(۲۷) کو اس سے بدتر حالت میں پایا۔ شاہ رود(۲۸) بدترین بدتر [کذا]۔ شاہ رود سے داہنے ہاتھ ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر شہر بسطام(۲۹) ہے جو کبھی حضرت بایزید بسطامی کا وطن تھا۔ نام کی محبت نے اُدھر کھینچا۔ فقط ایک گانو [گاؤں] باقی رہ گیا ہے۔ سبزوار فقط بزرگوں کی زیارت گاہ رہ گئی۔ نیشاپور کا بڑا خیال تھا۔ اس پر بڑا رونا آیا۔ تمام خرابی اور کھنڈر پڑے تھے۔

یہاں سے چوتھی منزل میں مشہد مقدس کی زیارت سے مشرّف ہوا۔ بارہ دن مقام کیا۔ حالات بیان کروں تو ایک ضخیم کتاب مرتّب ہو۔ مختصر کہتا ہوں کہ سلاطین سلف سے جو دیہات اور املاک جاگیر چلے آتے ہیں وہ اب تک جاری ہیں۔ کوئی بادشاہ انھیں گھٹا نہیں سکا۔ بڑھانا اپنی سعادت سمجھا۔ آمدنی ان کی بارہ لاکھ روپیہ سالانہ سے کم نہیں[۲۵]۔ عُلما و طُلبا کے مواجب، غُرباء کے وظائف، وظیفہ خواروں کا کھانا روزانہ جاری ہے۔ ہر زائر پندرہ دن حضرت کا مہمان ہوتا ہے اور ہندی کے لیے میعاد نہیں۔ جب تک رہے باورچی خانہ حضرت سے کھانا کھایا کرے۔ تقریباً تین سو آدمی روز کھانا کھاتے ہیں۔ ایک رکابی پلاؤ کی، ایک روٹی، ساتھ سالن۔

کتاب خانہ جو روضہ حضرت سے متعلق ہے کتب عجیبہ و غریبہ سے علوم و فنون کا خزانہ ہے۔ سلاطین و امرائے سلف نے عُمدہ عمدہ نایاب کتابیں بھیج کر ذخیرہ آخرت جمع کیا ہے، ان کی فہرست لایا ہوں۔ یہ مقدس مقام ایران، ترکستان، افغانستان، ہندوستان کی تجارت کے لیے پینٹھ ہے۔ اِس لیے کارواں سرائیں آباد، بازار [پُر] رونق، خیاباں بالا خیاباں، پائیں دو بازار طولانی اور وسعت میں نہایت دل کشا ہیں۔ بیچ میں نہر جاری ہے۔ دونوں طرف مال دار دوکان دار اور دوکانیں اسباب سے مالا مال ہیں (جسے ہم سڑک کہتے ہیں وہاں خیابان کہتے ہیں) یہاں غلہ کی ارزانی بلکہ ہر جنس کی فراوانی قابلِ تعجب ہے۔ لطافت ہوا کا یہ حال ہے کہ نوروز ہو چکا تھا مگر بازاروں میں اگلے برس کے انگوروں کے خوشے آویزاں تھے۔ بعضے جھُریا گئے تھے بعضے صاف اور درست تھے۔

اکثر شاہوں اور شاہزادوں کی قبریں دیکھی گئیں۔ ہارون رشید(۳۰) سر حلقہ خلفائے عباسیہ گُنبد اقدس میں سوتے ہیں۔ نادر(۳۱) کی قبر دیکھ کر عبرت ہوئی۔ اللہ اکبر وہ نادر جس کی تلوار کی امان نہ تھی۔ جس کے گھوڑے کی جھپٹ سے لشکر پھوس کی طرح اڑتے تھے وہ ایک ٹوٹے چبوترے پر پڑا ہے۔ وہاں قپان خانہ ہے اسباب تجارت تُلا کرتا ہے (قپان بڑی ترازو)۔

عُلما میں شیخ بہاء الدین عاملی(۳۲)، شیخ حُرّ عاملی(۳۳)، شیخ طبرسی(۳۴) رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ اِن بزرگوں کی قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھی اور کتبوں کی نقلیں لیں۔ شیخ بہائی علیہ الرحمہ کی قبر پر روز دو تین دفعہ فاتحہ کا موقع حاصل ہوتا تھا۔ شعرا میں فردوسی۳۶(۳۵) اور اسدی طوسی(۳۶) کا نام لینا ضرور ہے کہ وہیں مدفون ہیں۔ اِس متبرک اور مقدس مقام میں بارہ دن قیام کیا۔ یہاں سے ہندوستان کے دو رستے ہیں۔

(۱) براہ یزد و کرمان ۳۷ بندر عباس(۳۷) میں پہنچتا ہے۔ تمام رستہ صاف وسپاٹ، ناآباد ریگستان ہے۔ بندر [بندر گاہ] سے جہاز میں بیٹھے اور کراچی میں آن اُترے۔

(۲) ہرات اور قندھار سے کوئٹہ میں آ کر ریل میں بیٹھے اور لاہور میں داخل۔ میں نے سنا کہ مشہد سے آٹھویں دن ہرات اور ہرات سے بارہ چودہ دن میں قندھار۔ قندھار سے پانچ دن میں کوئٹہ پہنچتے ہیں البتہ افغانوں کی طرف سے رستہ میں خطر ہے اس لیے سوداگر بندر کے رستے آتے جاتے ہیں۔ یہ بھی سنا کہ امیر صاحب نے اب اپنے ملک کا بندوبست ایسا چست اور درست کیا ہے کہ آج تک کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے بندر عباس کے رستے میں طول مسافت دیکھا اور کاروان بھی موجود نہ تھا۔ پندرہ بیس دن کا انتظار نظر آتا تھا۔ امیر صاحب کے عدل و انتظام پر یقین کر کے توکل بخدا روانہ ہوا۔ ہرات کے رستہ میں ہمارا کاروان شتری تھا۔ تیسری منزل میں نیند نے مُجھ پر شب خون مارا۔ اونٹ سے گر پڑا ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ قدرت الٰہی نے جراحی کی آپ ہی جڑ کر اچھی ہو گئی۔ گرہ اب تک موجود ہے۔

آج سے چند سال پہلے یہ رستہ ترکمانوں کے سبب سے ایسا خطرناک تھا کہ ہر کاروان کے ساتھ ایک دستہ فوج کا اور چند توپیں مشہد سے آتی تھیں۔ ہرات سے امیر کی فوج جاتی تھی۔ میانِ راہ سے کاروان کو اپنی سپردگی میں لے کر ہرات میں پہنچاتی تھی۔ جب سے کہ فوجِ سرکاری ہند سے براہ بلوچستان حد بندی کے لیے گئی ہے، روسیوں نے ترکمانوں کو روکا۔ اب دن رات کچھ پرواہ نہیں۔ مسافروں کی آمد و رفت جاری ہے۔

راہِ مشہد و ہرات میں جام مولانا جامی کا وطن [۲] آیا۔ ایک ویران قصبہ رہ گیا ہے۔ یہاں حضرت شیخ جام کی تربت ہے۔ اُس پر شاہ عباس نے ایک عمارت عالی شان بنوائی ہے۔ میں بھی گیا اور فاتحہ پڑھ کو داخلِ ثواب ہوا۔ اس کے ایک کتبہ سے معلوم ہوا کہ میر معصوم بھکری نے اِن کے مزار کو ۱۰۱۱ھ میں سرنو تعمیر کیا ہے۔ میر کا نام دیکھ کر دل ایسا خوش ہوا جیسے غربت میں کوئی دوست مل گیا کیوں کہ میر کی اور میری دربار اکبری کی ملاقات تھی۔ (یہ بھی امرا اکبر شاہی میں تھے) خود تاریخ قندھار کے مصنف اور اور طبقاتِ اکبری میں نظام الدین بخشی کے ساتھ شریک تھے۔ اکبر کی والدہ شیخ احمد جان [۳۸] کی اولاد تھیں۔ عجب نہیں کہ اکبر کے حکم سے یا خود بنوا کر حقِ نمک ادا کیا ہو۔

جس دن میں ہرات میں پُہنچا اُسی دن نائب کوتوال آیا اور کہا کہ آپ کو سپہ سالار کے پاس چلنا ہو گا۔ میں نے سبب پوچھا۔ وہ نیک نیت اشراف فرقہ قزلباش سے تھا۔ اس نے کہا کہ مقام تردّد نہیں ہر مسافر کو جانا پڑتا ہے۔ بعد ظہر میں آؤں گا اور آپ کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ بموجب وعدہ کے آیا اور لے جا کر فرامرز خان سپہ سالار کے سامنے پیش کیا۔ اُنھوں نے پوچھا۔ راہ داری ہے؟ مرزا عباس خان وکیل مختار سرکاری حاضر باش مشہد کا مُہری تذکرہ میرے پاس موجود تھا، حاضر کیا۔ انھوں نے پڑھوا کر سُنا اور کہا کہ یہ مہر اصلی ہے؟ میں نے کہا کہ حضور کے سامنے سند اصلی کو پیش کرتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں، جعلی کاغذ کون پیش کر سکتا ہے۔ بہت خوب، تم یابو لو اور روانہ ہو جاؤ۔ ایک فقیر اور ایک پاگل سا آدمی تھا وہ بھی نووارد مسافر تھے، پیش ہوئے۔ ایک کے پاس کاغذ راہ داری تھا۔ اُسے حکم ہوا کہ روانہ ہو جاؤ۔ دوسرے کے پاس نہ تھا، وہ بخارا سے آیا تھا۔ حکم ہوا کہ جدھر سے آئے ہو ادھر ہی چلے جاؤ۔

شہر ہرات شاہانِ گزشتہ کا عیش باغ تھا لیکن پچاس ساٹھ برس سے اس پر ایسی نحوست کا ستارا آیا ہے کہ سلطنتوں کے انقلاب نے گھڑ دوڑ کا میدان بنا دیا ہے۔ میں نے اس کی عمارات قدیم کا حال مُختلف کتابوں خصوصاً تاریخ ہرات میں دیکھا ہوا تھا جن مقاموں کے حالات پڑھ کر قدرت خدا یاد آتی تھی، اب صفن صفا[کذا] ہو گئے۔ بڑے بڑے عالم اور نامی مصنّف ان میں سے امام فخر الدین رازی مصنف تفسیر کبیر (۳۸)، ملّا حسین کاشفی صاحب تفسیر حسینی (۳۹) غرض کن کن کے نام لوں کہ شاہانِ با اقبال کی قدر دانی سے وہاں آکر جمع ہوئے تھے، سب وہیں پیوندِ خاک ہو گئے ہیں۔

---

[۲] مولوی جامی کی ولادت گاہ موضع خرجرد علاقہ جام ہے۔

ایک عالی شان گُنبد کے اندر جو کہ اب کھنڈر پڑا ہے، چھ تعویز برابر دیکھے۔ ان کی مَنّبت کاری[۳۹] کو مرصع کاری کہنا چاہیے۔ ان میں امیر تیمور کے کئی بیٹے اور پوتے پڑے سوتے ہیں۔ وہیں سلطان حسین بالقرا مدفون ہے۔ انھی میں گوہر شاد بیگم تیمور کی بہو ہے جس کی مسجد مشہد مقدس میں ہے اور عجائب عمارات عالم میں شمار کی جاتی ہے۔ اِن سب کے کتبے نقل کر کے لایا ہوں۔

شہر سے چار پانچ کوس کے فاصلے پر خواجہ ابو الولید کا مزار ہے۔ بہت لوگ زیارت کو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ اوائل اسلام میں تشریف لائے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوا کہ احمد ابو رجا اُن کا نام تھا۔ ظاہر و باطن کو صلاح حال اور علم و کمال سے آراستہ کیا تھا اور حدیث میں مہارت کامل رکھتے تھے۔[۴۰]

گادز گاہ[۴۱] شہر سے تین چار کوس پر مشہور مقام ہے اور اکثر عُلما و امرا کی قبریں وہاں ہیں۔ خواجہ عبد اللہ انصار کا مزار بھی وہیں ہے۔ فات تاریخ فوت ہے۔[۴۲]

امیر دوست محمد خان اور سلطان جان جو محمد عظیم خان امیر کے بڑے بھائی کا بیٹا اور خود امیر کا داماد تھا اور پچیس برس حاکم ہرات رہا، وہیں مدفون ہے۔ اس کی بیوی امیر کی بیٹی کی قبر بھی وہیں ہے۔ امیر نے فوج کشی کر کے ہرات لیا۔ نواسا اُسی لڑائی میں مارا گیا وہ بھی وہیں دفن ہے۔ پھر آج سلطان جان مر گیا کل ہرات فتح ہوا[۴۳]۔ آج ہرات فتح ہوا کل امیر مر گئے۔ دونوں ہمّت کے پورے۔ اُس نے جب تک دم میں دم رہا ہرات نہ چھوڑا۔ امیر نے جب تک ہرات نہ لیا جان نہ دی۔

مولانا جامی کی قبر کو جا کر دیکھا۔ احاطہ ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے۔ قبر بڑی عریض و طویل ہے۔ کسی زمانہ میں تعویذ قبر اور دور قبر سنگِ مرمر کی سلوں پر بہت دعائیں اور غزلیں عمدہ خط میں منقوش تھیں[کذا]۔ اب سب ایک ڈھیر پتھروں کا ہے۔ کوئی شعر کا مصرع پڑھا جاتا ہے[۴۴] باقی اللہ اللہ۔ ان کے شاگرد عزیز ہمدم کی قبر بھی وہیں ہے۔ ہمدم اُسے کہتے ہیں کہ مر کر بھی جدا نہ ہو۔[۴۵] میں نے ہرات میں آتے ہی کاروان کی تلاش شروع کر دی تھی چناں چہ چوتھے دن ایک قافلہ باشی سے گفتگو ہو گئی اور اُس نے کہہ دیا کہ پرسوں روانہ ہو جائیں گے لیکن افسوس کہ کل اور پرسوں میں اٹھائیس دن کامل گزر گئے۔ یہاں مجھے ایک ایک گھڑی پہاڑ تھی اور جو سب سے زیادہ مشکل تھی وہ یہ تھی کہ بچہ سے لے کر بوڑھے تک اور بہادر سپاہی سے لے کر بڑھیا عورت تک ہر شخص سوال کرتا تھا اور سوال میں سوال کرتا تھا پھر آنکھیں بدلتا تھا اور کہتا تھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ کس راستہ آئے ہو؟ کیا لائے ہو؟ کتابیں کیوں لائے ہو؟ اتنی کتابیں کیوں لائے ہو؟ انھیں کیا کرو گے؟ یہ کیا کیا کتابیں ہیں؟ کس کس علم کی کتابیں

ہیں؟ تم اس رستہ کیوں آئے ہو؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ کس رستے جاؤ گے؟ اُس رستے کیوں جاتے ہو؟ الٰہی تیری پناہ۔ ناک میں دم آجاتا۔ جل جل جاتا اور کچھ نہ کر سکتا۔ ہزار رحمت ہے ملک ایران پر کہ مہینوں وہاں رہا۔ جابجا پھرا اور سب سے مِلا جُلا۔ ہر قسم کی بات پوچھتا تھا اور لکھتا تھا۔ وہ بتاتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ کسی بات کا شُبہ دل میں نہ لاتے تھے۔

قندھار(۴۰) کا رستہ جسے ہم بارہ چودہ منزل سمجھے ہوئے تھے وہ چھبیس دن میں کاٹنا پڑا کیوں کہ تمام ملک ویران پڑا ہے۔ رعایا غجدی نشین [؟] ہے۔ جہاں پانی دیکھتے ہیں کمل تان کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی ضرورت کے بموجب کُچھ بوتے ہیں۔ وہی اٹھاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں تا کہ مالیہ نہ دینا پڑے۔ ہمارے قافلہ میں ایک سو دو یابو اور گدھا تھا اور متفرق مسافر الگ۔ جدھر ہرا میدان اور آبِ رواں سنتے تھے ادھر جاتے تھے اگرچہ رستہ میں پھیر ہو اور جہاں ہری گھاس پاتے اُتر پڑتے اگرچہ معمولی مسافت سے کم طے کی ہو۔

سب نے کھانے کے سامان باندھ لیے تھے اور جہاں غجدی نشین [؟] ملتے تھے، ان سے پاتے تو آٹا، گھی، گھوڑوں اور گدھوں کے لیے جو لے لیتے تھے۔ مُجھ جیسے لوگوں نے سوئیاں، انگشتانے، کنگھیاں، سرمہ، کالی مرچیں، سونٹھ شہر سے مول لے لی تھی۔ ان سے روٹی، دودھ، دہی، گھی، چھاچھ وغیرہ مل جاتا تو مول لے لیتے تھے کیوں کہ وہ پیسوں سے لین دین نہیں کرتے تھے، اشیائے مذکورہ سے مبادلہ کرتے ہیں۔ ایک آدھ روپے سے بھی سودا کر لیتے ہیں کیوں کہ تین چار سیر آٹے یا جو سے زیادہ جنس بھی نہیں دے سکتے۔ میرے پاس پکانے کا سامان نہ تھا اس لیے بہت سی روٹیاں پکوا کر ساتھ لے لی تھیں۔ وہ پانچویں دن سڑ گئیں۔ انھیں سکھایا۔ ایک جگہ گدھا پانی میں بیٹھ گیا، وہ بھیگ گئیں۔ جہاں موقع ملا پھر پکوائیں اور دس دس پندرہ پندرہ دن کی سوکھی پانی کے گھونٹوں سے کھائیں اور لوگ مل جل کر کھاتے پکاتے چلتے تھے، گھی، چاول، آٹا وغیرہ ساتھ بندھا تھا۔ مجھے کھانے پانی کو ہاتھ نہ لگانے دیتے تھے کہ ناپاک ہو جائے گا۔ کئی جگہ لوگ پتھر لے کر مارنے کو کھڑے ہو گئے کہ کافر ہے۔ باوجود اس کے جب میرے پاس دودھ، دہی وغیرہ کھانے کی چیز ہوتی اور میں دیتا تو لے بھی لیتے۔ اس سے اور اکثر باتوں سے مجھے ثابت ہوا کہ یہ سختی اُن کی کسی سبب سے نہ تھی۔ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ روپے والے ہیں۔ انھیں جس طرح دبا کر لے سکیں لینا چاہیے۔ بہانہ ہاتھ آئے تو مار بھی ڈالیں۔ البتہ حکام اور سرداروں کی مروت اور محبت ہر جگہ قابلِ شکریہ ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ امیر صاحب بذاتِ خود دولتِ انگلشیہ کے ساتھ اتحادِ اصلی اور رعائے انگریزی پر شفقتِ دلی رکھتے ہیں۔

قندھار میں پہنچ کر پانچ دن ٹھہرنا پڑا۔ یہاں بھی وہیں قباحتیں موجود تھیں۔ راہ چلتے آدمی روک لیتے اور پوچھتے۔ "بیا بیا بنشیین باتو گپ زنیم"[46] میں کہتا۔ مسافر ہستم۔ کاردارم۔ معاف دارید۔[47] راہ چلتے پکڑ لیتے اور کہتے۔ "از کجا آمدی بہ کجا میروی"[48] ایک دن دل جل گیا۔ دو شخص بازار میں ملے اور یہی سوال کیا۔ میں نے کہا۔ "از ہند آمدہ ام باز بہند میروم"[49] پھر پوچھا "چرا آمدی"[50] مجھے بھی غصہ آ گیا میں نے کہا۔ "تو بگو کہ چرا می پرسی"[51] ایک نے میرا بازو پکڑ کر کہا۔ "نمی دانی ما می توانیم ترا بگیریم و پیشِ امیر صاحب ببریم۔ تو جاسوسِ فرنگ ہستی"[52] میں نے کہا "خیلے خوب۔ ما می گوئم، "امیر صاحب مسافر ہستیم بملکِ شما آمدیم۔ نمکِ شمارا خوردیم۔ آرام یافتیم۔ دعا می کنیم میرویم۔ اینہا ہستند کہ حالا بخیر خواہی شما دم میزنند۔ فوج فرنگ می آمد و در او میروند۔ نوکری می کنند۔ یک تخم مرغ بہ ۴۔ یک ماکیان بہ عیصا میفروشند۔ باز وقتیکہ ایوب خان می آید بہ کفر شما فتویٰ می نویسند"[53]۔ جب یہ میں نے کہا تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ گم کنید[54] مجھ سے کہا۔ بروبرو[55] ایک اور شخص سامنے سے آتا تھا۔ مجھے ٹال کر اُس سے بات کرنے لگے۔ میں نے ہنس کر کہا۔ "حالا اینہم بفرمائید کہ اسم شریف شما چیست"[56] غصہ ہو کر کہا۔ "بروبرو۔ بابا برو"[57] میں نے اصرار کیا تو نام بتائے۔ خدا جانے صحیح تھے یا غلط تھے۔ میں نے کہا۔ شما بکدام محلہ می نشینید۔[58] اس تیسرے شخص نے ان سے پوچھا۔ ایں چہ بلا است؟[59] پہلے نے کہا۔ "چہ بگویم۔ ہمان خرس ست کہ من می گزارم او نمی گزارد"۔[60]

غرض پانچ دن وہاں رہ کر دس کی جگہ بارہ روپے کرایے کے دیے اور کوئٹہ کو روانہ ہوا کیوں کہ جانتا تھا اڑھائی روپیہ روز کٹ رہا ہے۔ راہ کا حال کیا لکھوں وہی بلائیں ساتھ تھیں۔ خدا خدا کر کے پانچ دن کا راستہ گیارہ دن میں طے کیا۔ کوئٹہ (۴۱) میں پہنچ کر شکرِ خدا بجا لایا۔ دوسرے دن ایک چھکڑا کرایہ کیا۔ اُس میں کتابیں لادیں۔ آپ بچھونے بچھا کر اوپر بیٹھا۔ دو دن ایک رات میں رندلی پہنچا۔ وہاں سے ریل میں بیٹھ کر حاضرِ خدمت ہوا۔

آزاد کا لیکچر جو سیر ایران پر انھوں نے انجمن ہال لاہور میں دیا تھا، یہاں مکمل ہو چکا ہے۔ اس لیکچر کو مختلف اخبارات کے ایڈیٹروں نے سن کر لکھا۔ چار متون کو لے کر ایک متن ترتیب دیا گیا ہے اور بنیاد رفیق ہند کے متن کو بنایا گیا ہے۔ سماعت، کتابت اور دیگر اختلافات پر حواشی لکھے گئے ہیں اور وضاحت کے لیے معلومات تعلیقات کے ضمن میں درج کی گئی ہیں۔

محمد حسین آزاد نے سیر ایران کے دوران مختلف نوٹ لکھے تا کہ واپس آکر وہ اس سے اپنا سفر نامہ ترتیب دے سکیں مگر وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل نہ کر سکے اور یہ نوٹ محض اوراق پریشان بن کر رہ گئے۔ اس روزنامچہ کا کچھ حصہ رسالہ ہمایوں مئی ۱۹۲۲ کے شمارے میں چھپا۔ اس کے بعد لگاتار چار شماروں میں یہ شائع کیا گیا مگر مکمل روزنامچہ اس رسالہ میں نہیں چھپا۔ صرف چار اقساط شائع ہوئیں۔ بعد میں آغا محمد طاہر نبیرہ آزاد نے لیکچر اور روزنامچہ کو کتابی صورت میں کریمی پریس لاہور سے شائع کیا اور کتاب کا نام سیر ایران رکھا۔ آزاد کا روزنامچہ مکمل سفر نامہ تو نہیں مگر سفر نامہ کے قائم مقامی کے فرائض ضرور پورا کرتا ہے اور آزاد کے سفر ایران کی تفصیل ان کے روزنامچے میں ملتی ہے۔ ذیل میں یہ آزاد کا روزنامچہ رسالہ ہمایوں اور آغا محمد طاہر کی ترتیب کردہ کتاب سیر ایران کو مد نظر رکھ کر ترتیب و تدوین دیا گیا ہے۔

روزنامچہ:

بندہ آزاد خانماں برباد تباہی دہلی (۴۲) کے بعد کئی سال تک سرگرداں پھرتا رہا۔[۶۱] جب کئی برس کے بعد قسمت نے قرار پکڑا اور اتنی فرصت ملی کہ اپنے حال پر افسوس کروں تو سب سے زیادہ افسوس مجھے اس کتب خانے کا تھا جو دو پشت سے میرے بزرگوں نے جمع کیا تھا[۶۲] اور میں نے بھی ہمیشہ اس کے بڑھانے اور آراستہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ رنج ہر دم تازہ ہوتا تھا کیوں کہ ہر وقت ایک نہ ایک کتاب کی ضرورت ہوتی تھی اور یونی ورسٹی بھی کسی کو کوئی کتاب نہ دیتی تھی کیوں کہ نہ اسے کسی سے مُروّت تھی نہ کسی قسم کی آمد۔ بعض دفعہ ہر روز ایک نہ ایک نئی کتاب کی ضرورت ہوتی تھی، وہ بھی نہ ملتی تھی۔

صاحبِ تصنیف اشخاص جانتے ہیں کہ بعض دفعہ گلستان[۶۳] کا ایک صفحہ دیکھنے کے لیے سکندر نامہ کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور بے اس کے دیکھے آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی رنج میں خدا سے التجا کی کہ اگر مجھے وسعت ملے تو ایک کتب خانہ نظر گاہ خاص و عام میں آراستہ کروں اور جس قدر ممکن ہو ہر فن کی کتابیں اس میں رکھوں کہ کسی قسم کے ضرورت مند کو کسی بد دماغ سے التجا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ الحمد للہ کہ روز بروز کچھ نہ کچھ صورت بنتی ہی گئی۔ اِس عالم میں میں نے انتظام یہ رکھا کہ جو کچھ خدا دیتا، کم اس میں سے خرچ کرتا، باقی جمع کرتا تھا۔ خانہ بربادوں کی

طرح گزران کرتا تھا اور اپنے مبارک ارادے سے خانہ دل کو روشن کرتا تھا۔ اِس اثنا میں کوئی ایسی کتاب جو کم ہاتھ آئے، مل جاتی تو لے لیتا کہ ایک دن کام آئے گی۔

اِس قسم کے ارادے حقیقت میں مہماتِ عظیم کی قسم سے ہیں۔ مجھے یہ بھی خیال آتا تھا کہ میری کئی عمر کی کمائی بھی اس مراد کو پورا نہ کرے گی۔ اِس لیے سوچتا تھا کہ جو کتابیں اس ملک میں نایاب ہیں وہ عرب اور ایران میں ارزاں ملیں گی۔ اس لیے ایک سیاحت ان ملکوں میں کرنی چاہیے لیکن عمر گزری جاتی تھی۔ دوسرے مجھ جیسے محتاط شخص کو سب سے پہلے گزارے کا فکر کرنا واجب تھا۔

الحمد للہ کہ اب مئی ۸۵ء میں ایک تہائی پنشن کی مقدار پوری ہو گئی۔ دل برسوں سے آرزو مند ہے کہ رخصت لے کر جگہ سے حرکت اور خدا سے برکت لینی چاہیے۔ اس میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ بعض کتابیں زبانِ فارسی کی (مسودہ) پڑی ہیں کہ ان کی تکمیل اس کے سوا ممکن نہیں۔

انھیں دنوں تقدیر سے مجھے چند دل شکن صدمے پہنچے جن میں سے سخت صدمہ ایک جوان بیٹی کی موت تھی جو حقیقت میں سات بیٹوں سے گراں بہا تھی۔ وہ میری تصنیفات میں میرا داہنا ہاتھ تھی۔ اس کے مرنے سے میرا دل ٹوٹ گیا اور تصنیفات کا قلم دان اُلٹ گیا یہاں تک کہ اکثر ہوش مندوں کو جنون کا شُبہ ہو گیا۔ پٹیالہ اور لاہور میں اس کا چرچا بھی ہوا لیکن چونکہ اس سفر میں کئی مقاصد اہم بھی آ گئے اور خاکِ وطن کو سفر کا پیوند دکھانا فرض بھی معلوم ہوا، اِس لیے رخصت لی [کذا]۔

رخصت کا مقدمہ سب سے زیادہ سنگین ہے۔ ایک صاحب (۴۳) جو ویسے دیسی لوگوں کی خیر خواہی کا دام بچھائے رہتے ہیں اور حقیقت میں ماہیانِ شبگوں کے شکاری، دوست بن کر دشمنی کرنے والے ہیں۔ وہ بموجب اپنی عادت کے ہارج [۶۴] ہوئے چنانچہ کئی مہینہ کی تنخواہ کا نقصان مجھے پہنچایا۔ یا خدا انھیں غیب سے نقصان پہنچا اور دل کا شیشہ چُور کر۔ بہر حال آخر ستمبر [۶۵] میں مُجھے خاص گورنمنٹ کی تحریر نے حصولِ رخصت سے اطمینان دیا کہ خدا اسے ملک اطمینان کی سلطنت روزی کرے [کذا]۔

جب سفر کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر خویش و احباب نے لکھا کہ صدمہ [۶۶] اور ضعف نے آپ کی جان کو دبا لیا ہے۔ بعض بیماریاں اور بھی ہیں اور سفر دور کا ہے۔ خالی گھر ہے۔ لڑکا نوکری پر ہے۔ ہمیشہ کون دوست خبر گیری کرتا ہے۔ بعض اشخاص نے روکا بھی!

میں نے جو ضرورتیں تھیں بیان کیں۔ انھوں نے کہا کہ درست درست۔ لیکن تنہائی کسی طرح اجازت نہیں دیتی۔ میں نے کہا کہ لڑکے کو سروے کی نوکری چھڑوا کر پہاڑ سے بلایا۔ اس نے ڈیڑھ مہینہ انتظار کیا مگر اس شیطان پر ہزار لعنت کہ میری رخصت میں خلل انداز ہوا۔ اس کی اور نوکری ہو گئی۔ وہ گھبر ایا۔ میں نے ناچار جانے کی اجازت دی مگر کچھ بات نہیں۔ پہلے بھی تو کئی سفر تنہائی ہی میں کیے ہیں۔ اُن میں بے سامانی تھی۔ ڈیڑھ برس مفقود الخبر رہ کر تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ خدا آسان کرنے والا ہے۔ انتہا یہ کہ زیارت کو جاتا ہوں۔ اس سفر میں ہر رستہ سے زیارت ہو گی۔ انھوں نے کہا وہ عالم جوانی تھا، دل میں ارمان تھے اب صدمہ ہائے عظیم سے دل ٹوٹ رہا ہے اور پھر آخر عمر۔ خدا نے ہر طرح آسایش کے سامان دیے ہیں۔ آرام کرنا چاہیے۔ میں نے کہا سب درست مگر جن ضرورتوں کے لیے میں جاتا ہوں، ملک اس کا محتاج ہے اور قوم کو خیال نہیں لیکن ہو گا ایک عرصہ کے بعد۔ اس سے بہتر ہے کہ میں ہی اس کام کو کر جاؤں خصوصاً فارسی کی جامع اللغات[*] کہ بغیر فارس میں جانے کے اس کی تکمیل اور اعتبار ممکن نہیں۔ آخر ایک دن ایک شخص نے خدا جانے، دل آزاری یا پاس داری سے یہ بھی کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو جنون ہے مبادا جنگل میں یا جہاز میں اس کا ظہور ہو۔ اس وقت کیا ہو گا۔ ہمت نے کہا کار خیر میں ہمیشہ موانع پیش آیا کرتے ہیں۔ ترکستان و تاتار کے سفر میں لوگوں نے کیا کیا ہوائیاں اڑائیں۔ نظم اردو کے مشاعروں پر کتنی گالیاں کھائیں۔ توکلت واللہ[٦٧] کہہ کر اٹھنا چاہیے۔ بنک میں دس ہزار روپیہ الگ کیا کہ یکم جنوری ۸۶ء کو جب میعاد پوری ہو تو نواب نوازش علی خان قزلباش دام اقبالہم کے حوالہ کر دے۔ وہ مجھے سوداگرانِ ایران کے نام خط تحریر فرما چکے ہیں۔

تیئیس ستمبر ۱۸۸۵ء، بارہ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ، یوم سہ شنبہ

چھ بجے شام کو ریل میں بیٹھ کر کراچی کو روانہ ہوا اور پچیس ستمبر یوم جمعہ کو کراچی میں داخل ہو کر اپنے سعید و عزیز شاگرد مولوی عمر الدین ہیڈ ماسٹر مدرسہ کے مکان پر اترا۔ یہاں معلوم ہوا کہ کل ہی جہاز روانہ ہوا ہے اور اب پھر جمعہ کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگرچہ دل بہت گھبرایا مگر کیا ہو سکتا تھا۔ رہا اور ان کی محبتوں نے اس طرح رکھا کہ نہ معلوم ہوا کہ گھر میں ہوں یا سفر میں۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔[٦٨]

---

[*] یہ لغت ہر طرح مکمل ہے انشاء اللہ بہت جلد تیار ہو جائے گی۔ طاہر

کراچی میں مرزا احسن علی خان صاحب وکیل عدالت سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مدرسہ قائم کرنے میں کوشش کی ہے۔ بالیاقت شخص ہیں۔ جس طرح امیر ہیں ویسا ہی امیرانہ دماغ رکھتے ہیں۔ اگرچہ سنت جماعت ہیں مگر اس طرح بسر کرتے ہیں کہ اہلِ سنت شیعہ جانتے ہیں۔

مرزا محمد صادق، مرزا محمد جعفر مالک مطبع مفرح القلوب سے ملاقاتیں ہوئیں۔[۳۹] بالیاقت، بامُروّت، بااخلاق لوگ ہیں۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ان کے والد مرزا مخلص علی مرحوم اور میرے والد مغفور سے خط و کتابت تھی تو زیادہ متوجہ ہوئے بلکہ مجھے ایک خط مدیر فرنگ کے نام دیا اور میرے ارادے کا حال مفصل دریافت کیا کہ درجِ اخبار کریں گے۔

علی بھائی کے برابر مسلمانوں میں کوئی صاحبِ دولت سوداگر نہیں[۴۰]۔ وہ بہمہ صفت موصوف ہیں۔ وہ بھی اخلاق سے ملے۔ ان کا مذہب شیعہ ہے۔

راہ چلتے کا لطیفہ۔ سکھر سے سوار ہوا۔ راستہ سے ایک جگہ بی کو سڑک کٹتی ہے۔ وہاں سرحد کے کئی سو پہاڑیوں کا انبوہ تھا۔ سب کو گاڑیوں میں بھر دیا۔ ان کی زبان میں اکثر الفاظ فارسی کے معلوم ہوئے۔ پوچھا تو کہا کہ ہم مکرانی ہیں۔ سبی کی ریل پر کام کرتے ہیں۔ مجھے تعجب ہوا کہ کنج مکران کا ملک کتابوں میں دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ ایک خشکی کا رستہ ہے۔ جدھر سے کئی وقتوں میں کئی کئی دفعہ اسلام کا لشکر ہند میں آیا تھا۔ آج میں اس کے ہمسائے میں بیٹھا مکرانیوں سے باتیں کر رہا ہوں۔ ایک شخص کے قیافے پر ذرا انسانیت اور بات میں سلاست معلوم ہوتی تھی۔ میں نے پوچھا۔ رعایائے کدام بادشاہ ہستند۔[۴۱] اس نے کہا۔ قجر [قاچار] ناصر الدین شاہ(۴۴)۔ میں نے کہا۔ شما نوکریِ فرنگ می کنید او ناخوش نمی شود[۴۲]۔ اُس نے کہا۔ اُو پروا نمی کند۔[۴۳]

دو اکتوبر ۱۸۸۵ء، بائیس ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ، یوم جمعہ

کراچی سے عربیہ (عرب) جہاز ڈاک میں چھبیس روپیہ[۴۵] کرایہ دے کر سوار ہوا۔ تمام دن جہاز میں گزرا کہ اسباب بہت اُترا اور چڑھایا گیا۔ ساڑھے چار بجے قریب شام جہاز نے لنگر اٹھایا۔ سب سے پہلے شکر خدا ہے اس نعمت پر کہ مجھے اضطراب دورانِ طبع اور استفراغ سے لوگوں نے ڈرایا ہوا تھا مگر مجھے اصلا معلوم نہیں ہوا۔ لیموں، انار، تربوز وغیرہ اسباب میں موجود تھے۔ اس جہاز پر ایک کپتان، تین افسر معلم، چار انجنیئر، ایک ڈاکٹر، ایک انگریزی نویس ذمہ دار ہیں۔ جہاز ہمارا اوسط دن رات میں ایک سو پچاس میل چلتا ہے۔

آغا عبد الکریم ایک ایرانی سے ملاقات ہوئی۔ مگر یہ تیس برس سے ایران چھوڑ کر بطور سوداگری مدراس رنگون وغیرہ میں رہتے ہیں۔ فی الحال سویز سے کراچی آکر کربلا کو جاتے ہیں۔ فارسی شاعری کا بہت شوق ہے۔ مدح اور مرثیہ کہتے ہیں۔ عربی بھی بولے مگر سواحل کی۔ انگریزی بھی بولتے ہیں مگر جہازی۔ میرا ان کا بستر یکجا ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کو غنیمت سمجھتے تھے۔

اس جہاز پر مولوی عبد العلی صاحب سورت کے رہنے والے بھی تھے۔ ان کے عیال بھی ساتھ تھے۔ تین عفیفہ، ایک تین برس کا بیٹا، ایک ایک سالہ، ایک کتخدا نوجوان، یہ تینوں صاحب بوہرے تھے۔ مولوی صاحب وعظ و نصیحت سے خاص وعام کو ہدایت فرماتے تھے اور خوش اعتقاد مومن تھے۔ مجھ سے وہ اور اُن کے وابستہ کمال محبت سے پیش آتے تھے۔ رات آرام سے گزری۔ اس مقام پر اہل جہاز اور اس کے ادنٰی ادنٰی نوکروں کی تعریف کیے بغیر چلنا انصاف پر ظلم کرنا ہے کیونکہ میں نے خوب دیکھا کہ ان لوگوں کی کفایتیں عورتوں کی طرف سے اصلا منحرف نہیں ہوتیں۔

تین اکتوبر، تیئیس ذی الحجہ، ہفتہ

دن آرام سے گزرا۔ مگر صبح کو ساڑھے سات بجے تک تمام جہاز دھویا جاتا ہے پھر روغن وغیرہ پکانے کے سبب سے دھواں وغیرہ رہا۔ اس لیے ایک دو بجے تک تکلیف رہی۔ رات آرام سے گزری الحمد للہ۔

رات کو تمام شب وسط جہاز میں ایک معلم ٹہلتا رہا۔ ایک دیسی عرشہ پر کھڑا تھا اور بموجب وعدے کے گردش دیتا تھا۔ اس کے حساب اور اندازے پر جہاز کی رفتار ہوتی ہے آدھ گھنٹہ میں گھڑیال بجتا تھا اور خاصی [خلاصی] آواز دیتا تھا کہ خبر دار رہنا۔ آگے عرشہ میں ایک اور خلاصی تھا وہ کہتا تھا کہ میں خوب دیکھتا ہوں۔

ایک صاحب کراچی سے سوار ہوئے۔ بوشہر کو جاتے ہیں۔ دوسرے درجے میں بیٹھے ہیں۔ ہم کالے آدمی کل پندرہ ہیں۔ تیسرے درجے میں گزارہ کرتے ہیں۔ مجھے خود بچارے نے دوسرا درجہ دکھایا مگر حب الوطنی نے کہا کہ اتنے روپیہ جمع کر کے کتابیں لو تو ایک خانہ الماری کا آباد ہوتا ہے۔ اس لیے تکلیف مجھے آرام معلوم ہوئی۔

جہاز پر گھنٹہ کا حساب خدا پر ہے۔ بارہ بجے پر آدھ گھنٹے کے بعد ایک آواز پورے گھنٹے پر دو آوازیں۔ ڈیڑھ گھنٹے کے لیے تین آوازیں۔ چار گھنٹے کے لیے آٹھ آوازیں۔ پھر آدھ گھنٹے کے لیے ایک آواز۔ پورے گھنٹے کے لیے دو آوازیں۔ ہمارے آٹھ بجے کے لیے آٹھ آوازیں۔ پھر اُسی طرح۔ غرض کہ چار چار گھنٹے کا ایک مجموعہ رکھا ہے۔

چار اکتوبر ۸۵ء، چوبیس ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ یوم اتوار

نماز کے وقت عرشہ جہاز پر جا کر ہوا کھانے لگا۔ ذرا روزِ روشن ہوا تو ایک میمن دُکان دار بندر عباس کا جانے والا بھی آیا اور مجھے بتایا کہ دیکھو گادر جو ایک معمولی لنگر ہے، ہمارے دائیں ہاتھ کو پیچھے رہ گیا اور یہ سامنے دائیں ہاتھ پر اسی کے سلسلے کی پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان میں بلوچ لوگ رہتے ہیں۔ پہلے غارت پیشہ تھے اب دولتِ انگلشیہ نے انھیں درست کیا ہے۔

میمن کا نام حبیب دوراجی، علاقہ سیتاور یلاول کا رہنے والا ہے۔ بندر عباس جاتا ہے کہ بادام انگور وغیرہ میوہ جات خرید کر لائے گا۔ یہ حنفی مذہب ہے مگر ملنسار آدمی ہے۔ شیعوں کو اچھا نہیں سمجھتا۔

ایک جہاز ٹھیک سامنے سے نظر آیا کہ غالباً مسقط سے آتا تھا۔ مجھے نہ معلوم ہوتا، دور تھا۔ اسی رفیق نے بتایا۔ وہ ساعت بہ ساعت نزدیک آتا تھا۔ آخر ہمارے داہنے ہاتھ کو ہو کر گادر کو چلا گیا۔

تمام دن ہمارے دائیں ہاتھ پر گادر، جاسک وغیرہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ اگرچہ بات اعتبار کے قابل نہیں مگر کہتے ہیں اس میں فرقہ بام (جنگلی آدمی۔ بن مانس) رہتے ہیں۔ مرد اکثر غاروں میں رہتے ہیں۔ ان کی عورتیں انسان پر عاشق ہوتی ہیں۔ جہاں کسی مسافر یا اکیلے دوکیلے آدمی کو پاتی ہیں، لے جاتی ہیں۔ اس سے ہوس رانی کرتی ہیں۔ جنگل کے میوے لا کر کھلاتی ہیں۔ تلوے چاٹتی ہیں کہ چل نہیں سکتا۔ خود حیوان مطلق ہیں مگر انسان نرینہ سے ہوس رانی کا مرض ہے۔ ان کے نر ہوتے ہیں مگر وہ نہایت ضعیف اور یہ ایسی قوی ہوتی ہیں کہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ انسان سے صاحبِ اولاد بھی ہو جاتی ہیں۔ آدمی اگر بھاگ کر نکل جائے تو پیچھا کر کے دوڑتی ہیں اور پکڑ لے جاتی ہیں اور نسل بڑھاتی ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص بھاگا۔ مادہ نے تعاقب کیا۔ ایک ندی بیچ میں حائل ہے۔ خوش قسمتی سے وہ قوم پانی سے ڈرتی ہے۔ خوبیِ قسمت سے یہ پار ہو چکا تھا۔ مادہ کنارے پر آ کر رک گئی۔ غائیں بائیں کر کے غل مچاتی تھی، روتی تھی، غصہ ہوتی تھی اور بچوں کو اٹھا اٹھا کر دے دے مارتی تھی کہ شاید ان کی محبت کے سبب سے چلا آئے مگر وہ بلا سے نکلا اب کب جاتا تھا۔ کھڑا دیکھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد بھاگ آیا۔

جہاز ہمارا چلا جاتا ہے۔ میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ خلاصی اور نوکران جہاز میں تاش کھیل رہے ہیں۔ کبھی دو کبھی تین بادبان چڑھا دیتے ہیں۔ رات کو چار بادبان ہو گئے۔ ہوا کم تھی۔ اتار چڑھاؤ ہوتا رہا۔ دن کو گرمی بشدت رہی۔ رات کو کچھ امن رہا۔

پانچ اکتوبر ۸۵ء، یوم دوشنبہ، پچیس ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ

صبح، مبارک صبح ہوئی۔ سنا کہ دس بارہ بجے بندر عباس پہنچ جائیں گے۔ میں نے ۷-۱/۲[7:30] بجے تک عرشہ پر جاکر ہوا کھائی۔ بہت خوش آیند تھی پھر آکر لکھنے میں مصروف ہوا۔ دن کو گرمی ایسی شدت کی رہی کہ چاروں طرف پھرتا تھا اور کہیں امان نہ پاتا تھا۔ خدا کی قدرت یاد آتی تھی کہ کجا وہ لاہور کی سیر اور سوا سیر برف کوٹ کر پھانکی اور دن رات میں تین تین دفعہ تربوز کھانے۔ خوراک میں فقط دہی دود[دودھ] اور کجا یہ عالم! اس پر غذا کی بے سامانی الگ ہے مگر حق یہ ہے کہ مظہر العجائب کی شان اس سے بہت عالی ہے۔

ہمراہی ہمارے جو پہلے اوپر آچکے تھے، کبھی کہتے تھے کہ یہ دستِ راست کو کوہ مبارک ہے۔ یہاں عرب اور کوہستانیوں سے کسی زمانے میں جنگ ہوئی تھی اور عرب کی فتح ہوئی تھی اس لیے اس کا نام جبل مبارک رکھا۔ کبھی کہتے ہیں کہ سامنے کوہ سلامہ نظر آتا ہے۔

رات کو گرمی نے سخت تکلیف دی۔ میں گھبرا کر اٹھتا اور بیٹھ جاتا۔ صبح تک یہی حال رہا۔ رات کو میں نے دریا میں دیکھا، کف جو موج میں یا جہاز سے ٹکرا کر پیدا ہوتے ہیں ایسے جاتے ہیں جیسے فاسفورس کے بادل بہ رہے ہیں اور اکادکا بلبلے جگنو نظر آتے ہیں[کذا]۔

مسقط کنارے پر تھا مگر چھوڑ دیا۔

چھ اکتوبر ۸۵ء، سہ شنبہ، چھبیس ذی الحجہ

صبح کو دونوں طرف پہاڑیاں پاس پاس نظر آنے لگیں۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک دست راست پر کوہ ہرمز ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی سمندر کے بیچ میں ہے۔ اس پر آبادی ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ کوہ لاک سے جہاز دور نکل آیا۔ بائیں ہاتھ پر ہاتھ کو چکر دے کر کہتے ہیں کہ تمام کشمیر کا علاقہ ہے[۴۵]۔ سمندر کے کنارے مرزا نظر اللہ شاہِ ایران کی طرف سے حاکم ہے۔

ساڑھے آٹھ بجے بندر عباس پر پہنچے یعنی آبادی ہمارے داہنے ہاتھ تھی۔ ہمارے جہاز نے کنارے سے اس قدر دور لنگر کیا کہ میں بلکہ کوئی بھی شہر میں نہ جا سکا۔ دمقہ ایک چھوٹا جہاز بادی آیا کہ یہاں کے لوگ اسے غراب کہتے ہیں، وہ انگریزی کمپنی کا ہے، ڈاک دینے اور لینے اور (میمن) وہ مال لینے آیا تھا جو بندر عباس کے لیے ہمارے جہاز میں تھا۔

بندر کے ملاح چھوٹی چھوٹی کشتیاں لے کر آئے اور یہاں کے اترنے والے مسافروں کو اتار لے گئے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر چند نوجوان لڑکے آئے اور خربوزے، خشک انجیر، انار، ناشپاتی، انڈے لائے پھر چند اور سودے

والے آئے مگر سب کی زبان خالص فارسی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں سے خاکِ ایران شروع ہوتی ہے۔ باوجود اس کے سب کی رنگت کالی یا سانولی، اس کا تعجب نہیں۔ جس ملک میں اس غضب کی گرمی پڑے وہاں تو حبشی پیدا ہونے چاہیے ہیں۔ خیر جو جہاز آیا تھا اس میں حبشی اور اکثر دوغلے حبشی ہی تھے۔ انار بالکل کھٹے تھے۔ خربوزے بھی مزے میں قابلِ تعریف نہ تھے البتہ بڑے بڑے تھے۔

بارہ بجے تک مال جہاز سے اترتا رہا۔ بہت سے ٹھیلے شکر کے تھے۔ کالی مرچ، کھوپرہ اور کئی بوجھ تانبے کی چادروں کے تھے۔ یہاں سے ہندوستان کو جانے کے قابل کوئی چیز نہیں۔ مہندی اور سوکھے لیموں بغداد کو جاتے ہیں[۴۶] اور کپڑا ان تمام بندروں میں بمبئی سے آتا ہے۔

دو بجے جہاز چلا اور ٹھنڈی ہوا مگر اس طرح کھلی گویا اسی کی منتظر تھی۔ ہماری جان میں جان آتی تھی لیکن مشکل یہ کہ عین مقابل سے آتی تھی۔ اگر بادی جہاز ہوتا تو قدم بھر آگے نہ بڑھ سکتا۔ دوخان کی برکت تھی کہ رات کے چار بجے تک جہاز تیر کی طرح ہوا کی چھاتی پر چڑھتا چلا گیا۔ اب شام ہوگئی میں عرشہ پر ٹہلتا پھرتا ہوں۔

بندر عباس سے ایک مرد عرب شیخ محمد حسین سوار ہوئے بحرین جاتے ہیں کہ روضہ خوانی کریں۔ سلسلہ گفتگو میں میں نے سید نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمۃ (۴۵) کا ذکر کیا، کہا کہ میں اِن کی اولاد میں ہوں۔

سات اکتوبر ۸۵ء[۴۷] چہار شنبہ، ستائیس ذی الحجہ

میں بموجب معمول کے آخر شب سے عرشہ پر ہوا کھا رہا تھا کہ سفید صبح کے ساتھ بندر لنگہ (لنہ[۴۸]) کے درخت کنارے پر دکھائی دیے۔ لنگر ڈالنے کے سامان ہوئے۔ چھ بجے کے بعد دو کشتیاں اسباب لینے آئیں۔ آٹھ دس سواریاں آئیں کہ بحرین میں اُتر جائیں گی۔ بائیس گھنٹے اسباب اترتا رہا۔ ساڑھے دس بجے جہاز روانہ ہوا۔

لنگہ بندر عباس سے چھوٹا ہے۔ شہر کنارے پر آباد ہے۔ اصلی آبادی کم تھی۔ جہازوں کی آمد و رفت نے سہ چند بڑھا دیا ہے۔ اس کے بیچ میں کھجوروں کی قطار ہے۔ اس کے پیچھے پھر آبادی ہے۔ مکانات کی ساخت سامنے سے انگریزی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہوادار کھڑکیاں برابر برابر رکھتے ہیں۔ میوہ یہاں کچھ نہیں۔ اصل عرب کے لوگوں کی آبادی ہے۔ اگرچہ عرب کی عمل داری ہے مگر حاکم سید ہوتا ہے۔ چنانچہ حاکم حال کا نام سید نقیب ہے۔ آج کل محرم کے سبب سے شاہزادہ محمد حسین مرزا بندر عباس سے آیا ہوا ہے اور جب کوئی صورت خاص واقع ہوتی ہے تو کوئی حاکم ایرانی بھی آجاتا ہے۔

گرمی کی شدت ہے۔ ہوا کھل گئی ہے۔ اگر عرشہ پر سایہ ہوتا تو عیش ہو جاتا۔ اب سخت تکلیف میں ہیں۔ میں رات بھر میں کئی بار اوپر اور نیچے گیا کہ مبادا کوئی چیز غائب ہو جائے۔ آدمیوں کی کثرت نے زیادہ تر تکلیف دی۔ حاجی عبد الرسول نام بوشہری معلم جہاز ہو کر نخہ سے آئے ہیں۔ وہ میرے شریک بستر ہوئے۔ نجف نام ایک نوجوان خوش مزاج ان کے ساتھ ہے۔ ایک حبشی دراز قد بھی ساتھ ہے۔

لطیفہ۔ میں نے حبشی کا نام پوچھا۔ کہا مہندنی (ماندنی)۔ [۷۹] میں نے پوچھا مہندنی چہ معنی دارد۔ [۸۰] ہنس کر کہا۔ غرض ہیکہ انشاء اللہ می ماند۔ [۸۱]

حاجی صاحب کاروبار دریا سے خوب واقف ہیں۔ جو جہاز آتا ہے، بوشہر تک ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ وہاں سے ان کی بدلی ہو جاتی ہے۔ یہ معلم راہ کے نیک و بد اور خوف و خطر کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس وقت حاجی صاحب کا قہوہ پیا ہے۔

لنہ کے لوگوں کی اصل عربی ہے۔ بحرین اور بوشہر سے ان کی ایسی آمد و رفت ہے جیسے لاہور، امرتسر، جالندھر یا دلی، میرٹھ۔

آٹھ اکتوبر ۸۵ء، اٹھائیس ذی الحجہ، پنج شنبہ

رات بھی ہوا سخت چلتی رہی کہ عرشے پر چلا نہ جاتا تھا۔ جہاز آگے پیچھے اس طرح ہلتا تھا جیسے کوئی بچے کو گودی میں لٹا کر بیٹھا رہے اور زانوؤں کو حرکت دے۔ اول اول مجھے اس سے نیند آئی مگر پچھلے پہر سے مجھے ضعف شروع ہوا اور صبح تو ایسا ضعف معلوم ہوا کہ دل و دماغ گھلے جاتے ہیں۔ جس وقت دودھ میں چائے ڈال کر گھولی اور روغنی روٹی بھگو کر پی، اس سے ذرا سہارا ہوا مگر دل بد مزہ ہو گیا کہ گھی میں کھوپرے کا تیل تھا۔

تھوڑی دیر میں بہت بے قراری اٹھائی۔ عرشہ پر جا کر پڑا رہا۔ میں سر سے یا تو یک دل تھا یا اب دل بیٹھا جاتا تھا[کذا]۔ بارے آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں دھوپ آگئی۔ اٹھا تو طبیعت ٹھیری ہوئی تھی۔ نیچے آکر کئی گھونٹ پانی پیا۔ سہارا سا ہو گیا۔ ادھر اُدھر پھرتا تھا مگر حال بے حال تھا۔ لیٹے بیٹھے چین نہ تھا۔ دوپہر کو جھونکے کم ہوئے۔ چند نوالے چاول کے دال کے ساتھ کھائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حصہ کا عرشہ جو جہاز کی ناک سے لگا ہوا ہے، اس پر زیادہ جھونکے لگتے ہیں، وسط میں کم۔ میں بھی وہیں جا بیٹھا اور یہ چند سطریں لکھیں۔

آٹھ نو بجے سے ہمارے بائیں طرف دور دور کنارے پر اِدھر اُدھر دس، پندرہ، بیس، چالیس تک کشتیاں متفرق پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس میں غواص (غوطہ خور) موتی ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔ یہ پہچانتے ہیں کہ کہاں ہم

کامیاب ہوں گے وہیں غوطہ لگاتے ہیں اور قسمت آزماتے ہیں۔ یہاں اکثر سوداگر آتے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے اجرت پر کام کرتے ہیں۔ نصف جولائی سے نصف اکتوبر تین مہینہ تک کام ہوتا ہے۔

بحرین اور اس کے قرب و جوار کے جزائر میں موتی بہت سستے ہوتے ہیں شکارپور وغیرہ کے اکثر ہندو اور بعض مسلمان بیوپاری آتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ بہت بکری ہند ہی میں ہے۔ اکثر موتی جو یہاں دس بارہ روپے کو آتے ہیں، ہندوستان میں آکر تین سو، تین سو، پانچ سو اور کبھی ہزاروں کا مول پاتے ہیں۔ تین بجے ہمیں داہنے ہاتھ پر کشتیوں کے سلسلے دکھائی دیے جن کی تعداد تین سو کہتے ہیں۔

ایک مقام پر داہنے ہاتھ کو لوہے کا چھوٹا سا گنبد، اس پر ایک سلاخ، اس پر ایک گولا نظر آیا۔ اس کا نام بوئیا ہے علامت ہے اس بات کی کہ پانی کم ہے۔ جہاز بچا کر لے جاؤ نہیں تو پھنس جائے گا۔

ساڑھے چار بجے بحرین پہنچے۔ اول کنارے پر بادبان نظر آنے شروع ہوئے۔ دریا کے کنارے ایک نصف دائرہ میں آبادی ہے اور آبادی سے الگ ایک قلعہ کئی سو برس کی تعمیر موجود ہے۔ یہاں سے کچھ مال نہیں آیا۔ جہاز سے کچھ مال تورات کے نو بجے تک اترا کیا۔ کچھ آٹھ بجے صبح تک اُترا۔ چاول وغیرہ اشیائے معمولی بھی، یہاں سوائے لوز نام ایک ثمر کے کچھ نہیں ہوتا۔ لوز ایک میوہ سرخ چقندر سا ہوتا ہے۔ اندر گٹھلی، مزہ شیریں یا کھٹا میٹھا، مزاج معتدل۔

پہلے یہاں عمل ایران تھا۔ بارہ تیرہ برس ہوئے جب کہ سلطان نے قطیف نام ایک جزیرہ قریب کا لیا اور اس کو دولتِ انگلیشیہ کے تفویض میں کر دیا۔ اب دولتِ انگلیشیہ کی طرف سے ایک حاکم شیخ عیسیٰ نام کا ہے، وہ حکم کرتا ہے اور مرزا احمد یعنی مرزا عبدالغنی سوداگر بوشہر کا بھتیجا بھی انتظام میں شامل ہے۔ یہ لوگ دولتِ انگلیشیہ کی طرف سے ہیں۔

یہ قدیمی اور بابرکت جزیرہ ہمیشہ سے علوم کے باب میں مشہور ہے۔ علمائے شیعہ میں بڑے بڑے نامی اہلِ تصنیف اپنے فیض کی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں۔ میں اس مقام پر ان کے نام لکھتا لیکن مزا اس کا بے ان کے حالات اور تفصیلِ حالات نہ تھا اِس لیے قلم انداز کرتا ہوں۔

نو اکتوبر ۸۵ء، انتیس ذی الحجہ، یوم جمعہ

آٹھ بجے کے بعد چلے۔ بہت سواریاں اتریں مگر بہت ہی آن چڑھیں۔ دس بجے تک ہوا ٹھیک تھی پھر ہوا نے جہاز کو اور اس نے دلوں کو تہ و بالا کر دیا۔ تمام دن اور رات یہی حال رہا۔

دس اکتوبر ۸۵ء، تیس ذی الحجہ، یوم شنبہ

بہ ساعت یک داخل بوشہر شدم۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ [۸۲]

تیس ذی الحجہ سے سات محرم تک بوشہر میں قیام رہا۔ آخر آٹھ دن انتظار کے بعد ایک ایرانی راہوار کرایہ پر کیا اور سات محرم کی شام کو شہر سے نکل کر کارواں (قافلہ) میں شامل ہوا۔ دو گھنٹہ بعد روانہ ہوئے۔ تمام رات برابر راستہ چلے۔ میں گھوڑے پر تنہا چلا جاتا تھا اور شکر سے دل کو تسکین دیتا تھا کہ اگر پیدل چلنا ہوتا تو کیا ہوتا۔ سات بجے اسفندی میں منزل کی۔ کل آٹھ فرسخ چلے۔ آج معلوم ہوا کہ کوس کے کیا معنی ہیں ابتدا سے آج تک جو لوگ

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل [۸۳]

کے معنی پڑھاتے ہیں انھیں خبر ہی نہیں۔ کارواں میدان میں پڑا تھا اور دھوپ کی شدت کہ خدا کا سایہ ڈھونڈتا تھا اور نہ پاتا تھا۔

دن عجیب پریشانی میں گزرا۔ اسفندی گاؤں کا نام ہے۔ جنگل کی گھاس سے گھر چھائے ہوئے ہیں اور لوٹنے سے گزران کرتے ہیں۔ پچھلے [پہر] کو کوچ ہوا، آٹھ بجے برازگون میں آکر اترے۔ جگہ کو دیکھ کر عبرت ہوئی یہ وہی مقام ہے کہ جہاں تک فوج سرکاری راس محمد اکو مڑی، وہاں سے واپس ہوگئی لیکن اس آمد کی علامت باقی نہیں۔

یہ مقام بھی آبادی میں اسفندی سے کچھ کم نہ ہوتا مگر سرائے حیشر نے اسے عزت دی (نام نہیں لکھا) کہ فرمانروائے شیراز تھے۔ ان کی نیک نیتی نے اکثر فیض عام کے نام سے عمارات والی شان مقلب کیں۔ ازاں جملہ یہ سرائے ہے اس کی وسعت اور طرز و تراش خوشنمائی میں قابل دیکھنے کے ہے۔ یوم عاشورہ کے سبب سے کارواں نے کوچ نہیں کیا۔

انیس اکتوبر ۸۵ء، دس محرم

پیر کے دن دوپہر دن سے پھر روانہ ہوئے۔ راستہ میں کئی کوس تک سخت سڑی ہوئی بارود کی بو آئی۔ معلوم ہوا یہاں مکان نفط یا گندک ہے۔ چار پانچ گھڑی رات گئے دالکی میں مقام ہوا۔ پچھلے [پہر] کو پھر اٹھ کر روانہ ہوئے۔ آج کے راستہ میں نشیب و فراز بہت تھا اور کتل بھی بلند تھا۔ مجھے قریب نصف راستہ کے پیادہ چلنا پڑا۔ درہ میں داخل ہو کر رودخانہ ملا کہ اسے ایک بڑی نہر سمجھنا چاہیے، اس پر کسی زمانہ میں پُل تھا وہ اب منہدم ہو گیا۔ چند در شکستہ کھڑے ہیں لیکن امیر مذکور نے جو اس پر پل بنایا ہے، اس پر سے اتر کر میں نے بھی دعائے مغفرت کی۔ دور تک اس کے کنارے درست کر دیے ہیں کہ گھوڑے، خچر، گدھے وغیرہ محفوظ رہیں۔

دہ میں ہوا ٹھنڈی ہے مگر کب اچھی لگتی ہے کہ طبیعت میں ریزش نے حرارت پیدا کر دی ہے۔ کتل کو بھی اوپر سے پختہ چنائی سے درست کرنا شروع کیا تھا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ کتل پر دو میل چڑھائی چڑھ کر پہاڑ مسطح نہایت خوش نما ہو گیا تھا۔ طبیعت کو بڑی فرحت ہوتی تھی کیونکہ جو ہر ہوا ہی فرحت ہے۔ اس تمام رستے میں جھاڑی کے، بیر کے درخت بکثرت ہیں اسی واسطے جس گاؤں میں ہم اترے ہیں اُس کا نام کنار نخہ ہے۔ یہاں ایک تلگراف خانہ ہے مگر بند پڑا ہے۔ کھجوروں کے درخت بہت ہیں۔ اس کی کھجوریں ادھر بوشہر اُدھر شیراز تک روٹیوں کے بدرقہ ہوتی ہیں اور حقیقت میں عمدہ ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی کھجوروں میں گٹھلی چھوٹی، چھوٹی میں بالکل نہیں۔ اسے کتل ملو کہتے ہیں۔

اکیس اکتوبر ۸۵ء، بارہ محرم، یوم بدھ

پچھلے [پہر] کو سوار ہوئے۔ تھوڑی دور چل کر پھر ایک رود خانہ شروع ہوا۔ صبح سے پہلے ختم ہو گیا۔ بہت سے اتار چڑھاؤ کے بعد ایک کتل آیا۔ کل سے چھوٹا تھا۔ یہ رستہ بھی میں نے آدھے سے زیادہ پیادہ طے کیا۔ رات کا پلاؤ ایک پُڑیا میں باندھ کر جیب میں رکھ لیا تھا۔ کتل پر چڑھتے ہی کھایا۔ طبیعت میں عجب قوت اور فرحت ہو گئی۔ قاطرچی کے اصرار سے سوار ہوا۔ سطح پر آتے ہی ایک سرائے ملی اگرچہ نہایت مضبوط ہے اور اُستوار چُنائی ہے مگر درہ اور حجرے پست بنے ہوئے ہیں اس لیے سمجھا کہ بہت پرانی ہو گی، ویران پڑی ہے۔ ہماری منزل تین فرسخ کی تھی۔ کمارج پر اترتے قاطرچی کوس ڈیڑھ کوس آگے جا کر اُترا۔ آگ پانی کی بڑی تکلیف رہی مگر چیز جہاں چاہو رکھ دو کوئی تھا ہی نہیں جو چرا لینے کا اندیشہ ہو۔ اسے کتل کمارج کہتے ہیں۔

بائیس اکتوبر ۸۵ء، تیرہ محرم، یوم جمعرات

پہر رات نہ گئی تھی کہ کوچ کر دیا، ایک کُتل آیا اور تھوڑی چڑھائی کے بعد بہت لمبی اترائی اترنی پڑی۔ صبح ہوتے گازران پر پہنچے۔ قصبہ بہت اچھا ہے۔ ایک چشمہ گھر گھر نہر بہاتا ہے اور کئی جگہ آب آسیا چلتا ہے۔ بہت قسم کے میوے یہاں ہوتے ہیں۔ مگر انار مر خوش لوگ بہت خوشی سے کھاتے ہیں۔ میں نے بھی سیر ہو کر کھائے۔ بے دانہ ہیں مگر اچھے ہیں۔ یہاں سے ہوا میں سردی زیادہ ہوتی ہے اور خاکِ شیراز کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ باغ نظر یہاں ایک پُرانا اور اچھا باغ ہے۔

تین مہینے سے ایک صاحب اجازہ، جوان عمر، شیخ محمد نام، نجف کے تحصیل کیے ہوئے، فاضل ابدوانی کے شاگردوں میں سے یہاں آئے ہوئے ہیں، لوگوں نے رکھ لیا۔ جمعہ و جماعت کا چرچا ہے۔ میں بھی جا کر ملا۔ تین شخص معقول اشراف بیٹھے تھے۔ مجھ سے حال پوچھا۔ بیان کیا۔ ایک شخص ایک بڑی کتاب دیکھ رہے تھے، انھوں نے

فرمایا۔ مصاحب ہیں یا صاحبِ نظر؟ اشراف نے کہا اسرار الشہادت اور شیخ صاحب کو دی گویا منتظر تھے [کذا]۔ شیخ صاحب نے مجھے دی اور کہا کہ پڑھو۔ میں نے کھول کر ایک جگہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک لفظ پر انھوں نے ٹوکا۔ میں نے پوچھا تو میں غلطی پر نہ تھا پھر بھی میں سوچنے لگا۔ انھوں نے خود سوچ کر فرمایا کہ شما درست خواندید، بخوانید[۸۴] جب میں کتاب رکھ دوں اور کہوں بس است امتحان تمام شد[۸۵] مگر خلافِ انسانیت سمجھ کر پھر پڑھنے لگا۔ ایک جگہ پھر ایسا ہی موقع ملا پھر تیسرا، خیر مطلب بھی ختم تھا۔ میں نے کتاب بند کر کے سامنے رکھ دی اور باتیں کرنے لگا۔ شما زبانِ عربی را خوب وزدیدہ اید۔[۸۶] رات کو ہماری خاطر سے سب نے مقام کر دیا۔ ۱۴ محرم یہیں بسر ہوا۔

نوٹ۔ یہاں بہت دیکھا۔ کتاب کوئی نہیں۔ ایک دو جگہ صحاف ہیں۔ اُن کے ہاں صورت دینے ٹوٹی پھوٹی کتابیں رہتی ہیں۔ کوئی مطلب کا ورق بھی نہ دکھائی دیا۔ شیخ صاحب کے ہاں ایک شخص نے فرمایا۔ حدیقہ میگرید۔ اسے منگا کر دیکھا تو شیخ احمد اردبیلی کا حدیقہ الشیعہ تھا مگر تقریباً نصف آخیر ہو گا۔

چوبیس اکتوبر ۸۵ء، پندرہ محرم، یوم شنبہ

کھانا کھاتے ہی سوار ہو گئے۔ ایک فرسخ چل کر ایک بڑی کارواں سرائے آئی جیسے کتل کمارچ پر آئی تھی، پست مگر مستحکم۔ ڈیڑھ فرسخ پر چوکی محصول آئی۔ یہ دریائے پریشان کے پُل پر ہے۔ اس میں مچھلیاں بہت ہوتی ہیں۔ پل کی حد اور اس کا بند کچھ دور تک جاتا ہے۔ دو فرسخ کے بعد کتل اوشنا (یا کتل دختراں) شروع ہوا، بے ڈھنگی چڑھائی ہے۔ سر تا سر گہری چڑھائی نہیں مگر پتھریلی زمین ہے اور جو تقریباً ہموار ڈھلوان ہے وہ بٹیوں نے خراب کر دی ہے۔ خدا خدا کر کے رات نے صبح کا منہ دیکھا یہاں کوتل مقام پر منزل ہوئی۔ یہاں ایک سرائے شکستہ ریختہ ہے اور ایک نئی ہے کہ میر قوم نے بنوائی ہے۔ اس کا بیٹا اب صاحب کار یعنی حاکم شیراز ہے، اپنے باپ کی سرائے کی چھت کو سلوں کے فرش سے پختہ بنوا رہا ہے بہت عمدہ، خوش نما، خوش تراش ہے۔ پاس گانو [گاؤں] آباد ہے۔ مجھے انگور کھٹے ملے، انار شیریں ملتے ہیں۔ گاؤں ایک فرسخ ہو گا۔ تین چار سبز زار قراول محصول کے لیے ہوتے ہیں۔ ہر ایک سے چنگی کے طور پر کھجور، انگور، انار وغیرہ کچھ سہی، جو کچھ ہاتھ آتا ہے لے لیتے ہیں۔ دو انڈے ہاتھ آئے وہی بہت سے گھی میں پکا کر کھائے۔

پچیس اکتوبر ۸۵ء، سولہ محرم، یوم یک شنبہ

پھر نو بجے سے رات کو اٹھے۔ کوتل پر ان کو طے کیا۔ اتر کر میدان سامنے آیا۔ تھوڑی دور چل کر دشت ارژن یا ارژنہ ملا۔ یہاں کی ٹھنڈی ہوا اور سردی کا جس قدر شہرہ تھا اس سے زیادہ مجھ پر گزری۔ یابو سے کود پڑا کہ دوڑ

کر گرمی پیدا کروں۔ گھٹنے بندھ گئے پھر سردی چڑھنے لگی۔ عجیب حالت ہوئی۔ میں گھبرا گیا کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ زور سے چلنا شروع کیا اور ضبطِ نفس، جس سے جلد پسینہ آجاتا ہے، وہ بھی کیا لیکن دیکھا کہ ایک تدبیر کارگر نہیں گھٹنوں سے پاؤں تک حس نہیں۔ دم بدم دیکھتا جاتا تھا کہ پاؤں میں خون ہے یا نہیں۔ مرض[۴] کو بھی دیکھتا جاتا تھا کہ اُتر تو نہیں آیا الحمد للہ ہر طرح خیریت رہی۔ کوس بھر چل کر حواس درست ہوئے۔ دو کوس پر صبح ہو گئی جب جان میں جان آئی۔ زنون پر منزل ہوئی۔

چھبیس اکتوبر ۸۵ء، سترہ محرم، یوم دوشنبہ

سر شام کھانا کھا کر زنون سے کوچ کیا۔ رات بھر چلے۔ راستہ اُتار چڑھاؤ، پتھر اور بٹیوں سے سخت موذی تھا۔ صبح کو شیراز میں پہنچے۔ میں سرائے حاجی عباس میں آکر اُترا مگر نہایت دل تنگ ہوا اور ایسی مکروہات کا ہجوم ہوا کہ میں بستر خاک پر بیٹھ گیا اور بستر کے اوپر تکیہ کر کے رہنکھا ہو گیا سوائے خدا کے کوئی طرف نظر نہ آئی، ادھر رجوع کیا۔ آخر اپنے تئیں آپ سنبھالا، گٹھڑی کھولی، کپڑے نکالے۔ گھر سے چغہ تک نہ لیا تھا، خفتان ہی پہنا اور فارک صاحب کے پاس گیا۔ وہاں ٹیلیگراف کے ڈائرکٹر صاحب تہران سے دورہ پر آئے تھے۔ دو دفعہ جا کر ملاقات ہوئی۔ بے غرضانہ ملے اور کہا کہ ہمیں آج کل فرصت نہیں، نہ ہم کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا اپنے کتب خانہ کی سیر تو دکھا دیجیے۔ کہا تمہیں کیا فائدہ ہو گا۔ میں نے جواب بیان کیا۔ فرمایا دو دن بعد یہ جائیں گے، پھر آنا۔

پھر ایک کتب فروش کی دکان پر آیا۔ وہاں ایک شخص مرزا علی خان ملے۔ وہاں سے آکر نواب حیدر علی خان کے پاس پہنچا۔ وہاں دعا قبول نہ ہوئی۔ اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ جب کام ہو گا تو آنا، ہم مدد کریں گے۔ ان کے دروازے پر ایک شیرازی مرزا عباس نام کتابیں وظائف نہایت عمدہ خوش خط بیچنے کو لایا تھا۔ اس سے باتیں ہوئیں وہ دلال ہے، ساتھ لے کر ایک شخص کے گھر گیا اور کتابیں دکھائیں۔ کُل تئیس جلدیں ستائیس روپیہ کو خرید لیں۔ حیران تھا کہ کہاں جاؤں گا اور رات کیوں کر بسر ہو گی۔

شہر شیراز۔ می گویند دورِ شہر یک فرسخ است۔ مگر بحقیقت قدرے کمتر باشد شکلِ آبادی تقریباً مدورست۔ زیرا کہ کوہے دائرہ قدرتی پیدا کردہ و شہر مثلِ شہر کابل و سری نگر کشمیر در میانِ آں آباد است و ہمیں ساں عمرانات

---

[۴] مولانا کو نل یا انتڑی اتر جانے کا مرض تھا جو بعض اوقات نہایت زحمت زدہ ہوا کرتا تھا۔

قدیم بوده بخلاف دانایانِ اروپا کہ شہر را بر بالائے کوه باد کنند و قباحت صورت اول ظاہر است کہ ہر گاه در عمرانات محصوره بسبے از اسباب ہوا کثیف شود و باعام گرد د دفع آں دُشوار گردد و مد تہا طول کشد۔

آبادی شہر قریب بہ ٦ ہزار خانہ باشد و ایں بہ روایت مردم شماریست کہ پنج سال پیش در عہد معتمد الدولہ فرہاد مرزا (بانی ایں شہر) بہ شمار آمده۔ شماره مردم مابین ۶۰ و ۷۰ ہزار بوده مگر رونق کہ الحال دارد از ہمت کریم خان ژند است کہ در ۱۱۹۳ھ فوت شده۔ اگر نمی بود شیراز از دہے بیش نمی ماند[۸۷]

کریم ژند چو از دار بیقرار گذشت
سہ از نود نود از صد صد از ہزار گذشت[۸۸]

بانی شہر محمد ابنِ یوسف ثقفی ۱۱۹۳ برادر حجاج بوده۔ ارک حاکم نشین، باغ متصل بہ ارک، خلوت ہائے متعدده متصل بدیں عمارت کہ بہ بازار اردلیک شہرت دارد۔ وگمرک خانہ وچندیں کاروانسراہائے وسیع، چہار بازار، حمام بیروں بزرگ، حمام خورد توے ارک، مسجد رفیع الشان، عمارت حافظیہ، سعدی، تکیہ ہفت تن، تکیہ چہل تن، باغ جہاں نما، آب انبار بزرگ، در شہر قریب بہ مسجد۔ دو چشمہ جاریست کہ شہر شیراز را سیراب می کند۔[۸۹]

اول فنات [قنات][۹۰] معروضہ بہ خیرات کہ از قدیم بوده۔ دوم قناتے کہ مرحوم قوام در ۱۲۹۵ھ بحکومت معتمدولہ از گوشہء مغرب و شمال آورده و ایں فناتے قدیمۃ القدیم ست و براں افتاده بود کہ آں را صاف نموده و تعمیر کرد۔

در شیراز اگرچہ برف می بارد مگر نسبۃً بہ سائر بلاد ایران معتدل است بلکہ بعد از شوشتر بیشتر ایں را گرم شمارند و گویند سوشتر خیلے گرم است و ہنوز عربستان نام بر آورده۔

۱۔ آغا مرزا محمد علی شیرازی بہ مسجد مشیر فقہ و اصول درس می دہد سنش ۵۰ باشد در کربلا و نجف کسب علوم کرده از تلامذہ شیخ مرتضیٰ بوده و از حاجی مرزا محمد حسن شیرازی فائض بوده امروز مرجع خاص و عام شیراز ست۔

۲۔ شیخ محمد حسن محلاتی (شہریست مابین اصفہان و طہران اما از خط راه افتاده) فقہ و اصول را درس می دہند مرجع خاص و عام شیراز است عمر از پنجاه متجاوز قدرے پیشِ ملا محمد علی محلاتی بہ درس تحصیل کرده و بعد بہ کربلا و نجف رفتہ اکتساب نموده۔ در مسجدِ مولےٰ درس می دہد (مولےٰ نام طائفہ ست دریں جا)۔

۳۔ حاجی آغاسید علی اکبر فال اسیری (وایں نام دو بلوک از بلوکات متعلقہ فارس است کہ ۱۱ منزل جانب جنوب است) فقہ و اصول درس دہد سن قریب بہ شصت مرجع خاص و عام است۔ تحصیلش در شیراز پیش حاجی شیخ مہدی کجوریست (از توابع مازندراں بودہ) در خانہ خودش در مسجد دلیک درس میدہد کہ امام آنجا است۔

۴۔ حاجی آغاسید علی اکبر یزدی شاگرد آخوند ملا حسن ست کہ مشہور بہ فاضل اردکانی ست (اردکان از توابع یزد است ۶۔۷ ماہت کہ مرحوم شدہ۔ آغاسید علی در مدرسہ منصوریہ درس می دہد وایں ہماں مدرسہ است کہ بہ عنایت الدین منصور دشتکی یادگار است۔ وشتک محلہ از محلات شیراز ست دشتک دہے ہست در شمال شیراز سہ روزہ راہ۔ و ایں محلہ ست کہ حالا بہ سردرک معروف گشتہ و مدرسہ منصوریہ ہمیں جاست۔

شیراز۔ قبر خواجہ حافظ شمال شہر شیراز است از شیراز کہ بر می آئیم و ہمی خواہم برویم بر قبر خواجہ دِم دروازہ پشت سقف دالانے بالا خانہ ہست کہ آں را شرقی گویند۔ دالان راہ تنگ اللہ اکبر می گویند و قریب باں چشمہ ہم جاریست و متصل بمشرقی کہ بارہ سنگے در کوہ پایہ است کہ بر آں تصویر رستم و دیو منقوش است و ہمیں چشمہ است کہ خواجہ فرمودہ[۹۱]

فرق امت زاب خضر کہ ظلمات جائے اوست
تا آب ما کہ منبعِ اللہُ اکبر است [۹۲]

در زمین وصل است بالا خانہ مذکور۔ دریں بالا خانہ چند قبر ست کہ می گویند در آں قبر ہا ہزار ہا تن مردم میروند و زیارت می کنند۔ ہر کہ داخل می شہر شود از زیر ایں قبر میگذرد۔ و ہر کہ بر می آید ہکذا۔

در شاہ چراغ بیاض ہست بخطِ جناب امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب۔

سمت مشرق حافظیہ باغیست کہ ہفت تن می نامند زیرا کہ ہفت درویش دراں مدفون ہستند و نزدیک بایں چہل تن ست کہ دراں چہل درویش مدفون ہستند و بسحق اطعمہ در آنجا مدفون است۔

جانب جنوب چہل تن و ہفت تن کہ زراعت می کنند ہمیں جاست کہ در عہد خواجہ در انجا جعفر آباد آباد بود و باغ ہائے سرسبز چنانکہ فرماید[۹۳]

میانِ جعفر آباد و مصلے
عبیر آمیز می آید شمالش [۹۴]

مصلیٰ۔ ہر گاہ از شہر برویم۔ حافظیہ و ما بہ شمال می آیئم دستِ راست حافظیہ است۔ دست چپ قدرے مسافت طے کردہ۔ جائے بود کہ آں رامصلیٰ می گفتند۔ حالا ہیچ نیست اثرے ازاں باقی بود کہ شاہزادہ فرہاد مرزادرانجا عمارتے تعمیر کردہ نام مردہ رازندگی دادہ اند ہر گاہ از شہر بجانب شمال بروند قریب یک فرسنگ طے کردہ چشمہ ء رکناد برمی آید آں رارکناباد گویند کہ رکن الدولہ دیلمی ازاں فنات کردہ بہ شیر از آوردہ بود[٩٥]

اگرچہ ژندرود آبِ حیات ست
ولے شیر ازِ ما از اصفہاں بہ[٩٦]

ژند دریائے اصفہاں است سہ جائل طولانی از عہد شاہ عباس تعمیر است۔

١۔ از جانب تخت فولاد۔

٢۔ جانب حلیف۔

مینار ضیان [جنبان] در اصفہان از عجائب روزگار است۔ دو فرسخ از شہر تالارے ہست۔ ہر دو گوشہ ء آں دو مینار ہستند۔

زور خانہ، مکان زور خانہ است پہلو در ہر پہلو یک طاق کہ در آنجالباس بیروں آرند و وسط زمین گود آں را گود زور خانہ گویند و آں رابقدر سہ چہار بالائے انسان می کنند۔ اول بقدر یک بالا خار ریزند۔ بالائے آں زبل (پئین۔ سرگین) و بالائے آں گل نرم بیختہ میریزند تا جسم پہلواں آسیب نرسد۔

اول پہلوان تنگہ می پوشد و آں زیر جامہ تنگ تا بہ زانو باشد پنبہ دار۔ کاسہ زانوش راچرم کنند و کمرش سیر قلاب زنند (مگر ایں جایاب نیست)۔

اسباب زور خانہ:

تنبک: شخصے کہ صاحب زور خانہ است اور اسر دمدار و کہنہ سوار گویند۔ در زور خانہ بالائے سکو (سکّان) نشستہ بہ توائیکہ او میزند دیگراں زور میگیرند۔

میل: ہر نفر بہر دو دست دو میل گرد تیر می کند و بال او میجہد۔

گاہے برروے دو کتف می گزارد۔ بہ ترتیب چپ و راست دمشتر از زیر و بالا کند۔ گاہے یک میل رابدست گیر دو دست راستون کردہ بہ پیش خود بہ دور جولاں دہد۔ گاہے بزوریکہ دارد بہ ہوا انداز د میل می رود تا قبہ و چوں بہ زیر آید

بسرعتے دررباید نوعے کہ دردست گرفتہ بود۔

گبر۔ گہ ایں کہ ہر دو میل رادور سر می گردانند۔ (عمل گبر) کبادہ (لیزم)[۹۷]

ایک گھنگر دار کمان۔ جس کے کھینچنے سے ورزش ہوتی ہے۔ سنگ و آں دو تختہ مستطیل بالاش ہلالی وزن ۳ یا ۴ من تبریزی۔

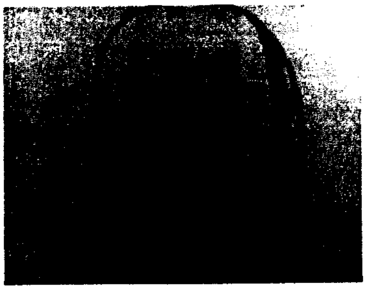

پہلوان بر زمین بہ قف خواہد سر بالا در دست یکے رابر دار دو پہلو چپ غلطد۔ باز بہ دست چپ۔ پنجہ بر مقام الف بر دار دو بہ پہلوئے راست غلطد وایں ورزش زور تمام خواہد۔ کارہائے کہ در زور خانہ کنند شنو ہر چہ معارف اہل ہند است پا بہ دیوار زدن۔

تختہ شلنگ۔ فقط جہیدن است از پائے بہ پائے۔

گاہ باہم کشتی می گیرند۔ بخاک بُردن پُشت پہلوان رابزمیں رسانیدن است۔

بعد از فراغ کار زور خانچی توے کلک (منقل گلی) غوری بسیار چیدہ آب گرم در انہاست بہ زور وزران خستہ می دہند کہ میخورند اینکہ کسانیکہ کشتی می گیرند۔ از حق چراغ می طلبند یعنی پول می طلبند۔ ہر کس چراغ اول بدہد خداوند چنین و چناں کند۔ و ہر کس چراغ دوم رابدہد چنین و چناں شود۔

وایں ہمہ حق زور خانچی است بہ علاوہ ایں ہر کس کہ ہفتہ بقدر خود مثلاً شاہی دو شاہی تا عباسی دو عباسی بہ او دہد۔[۹۸]

حمام:

تقریباً دو سو حمام ہوں گے۔ بہر حمام معین ست کہ در ہفتہ دو روز زنہا میروند و باقی برائے مردان است مرداں را مرداں خدمت و مشتمال میکنند و زناں را زناں۔

مرد باشد اول مرتبہ ۴و۵ شاہی اوسط

نیم قران

دہ شاہی۔ یک قران

پانصد دینار

بہن آباد

پیش از صبح صادق حمام کشادہ می شود تمام روز تا شام جاریست۔ استاد نشستہ است کہ پول می گیرد۔ دلاک سر می تراشد جامہ دار قدیفہ می آرد و قلیان می دہد۔ آب گیر آب می ریزد مردم را روئے سر۔ شاگرد دلاک و دلاک مشتمال کنند اگر ورود صبح زود باشد فیخان آب گرم آوردہ می دہند کہ از بیروں آمدہ اند۔ بخورند و گرم شوند ایں کارِ اکثر جامہ دار باشد۔

اول می روند در جامہ کن می نشینند ایں را بینہ (بوزن کینہ) ہم گویند۔ یک قلیانے می کشد کہ بینہ دار می آرد و ایں ہماں جامہ دار است۔ بعد از ساعتے دروں می روند گاہست اینجا آب گرم می دہند گاہ دروں۔ عمارت جامہ کن ہشت دردا باشد ہشت پہلو۔

درون حمام گاہے حنا بندند و خضاب کنند و نورد ہا کشند البتہ دو ساعت دیر می کشد واِلّا نسبت بہ نسبت وقت کمتر صرف می شود۔ گاہے اوساط و غربا از بازار کباب دانہ و نان و خربزہ انار سکنجبین برف آب انداختہ میخورند۔

زنہا اکثر تربزہا میخورند۔ لب طاس می کشند می خورند کہ خود بہ حمام می برند۔ مردہا نمی برند۔ زنہا کیسہ و سنگ باہم با خود می برند۔ در نورہ خانہ آہک و زرنیخ و تخم مرغ کون را مثالِ چینی فغفوری می کنند و ایں ہا برائے ترقی مقام باشد اگر زنہا بکار برندد در حمام در روز کہ مخصوص زنہا است پیشِ از صبح تا ساعت دو ساعت روز بر آمدہ مردماں غسل کنند۔ بعد بینہ دار یا اُستاد پشت سقف حمام میر دد و سفید مہرہا (گوش ماہی) می برند۔ تا اینکہ زنان خبر دار شوند بیایند۔ اوباش و الواط محاورہ گشتہ کہ اگر بہ کس وعدہ کنند کہ دو ساعت روز بر آمدہ بفلاں جائے برویم پیش شما بیائیم۔ ہنگام بوق حمام می آئیم۔ تون حمام بوزن نون جائیکہ آتش افروزند یعنی گلخن۔ [۹۱]

اکتیس اکتوبر ۸۵ء، محرم ۱۳۰۳ھ، یوم شنبہ

خواجہ حافظ کی قبر کی زیارت کی۔ قبر کا حال علیٰحدہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں کی قبروں پر صاحبِ قبر کی تصویر بھی برائے نام کھینچتے ہیں اور یہ صورت ہائے خاص میں ہوتا ہے۔ مزار میں گھنٹہ بھی بجتا ہے۔ شاہ چراغ کی قبر پر ظل السلطان مسعود مرزا نے اصفہان سے ایک گھنٹہ بھیجا ہوا ہے، وہ بجتا ہے۔ تمام شہر میں آواز پہنچتی ہے۔ طلوع آفتاب پر ایک بج کر شام تک بارہ، شام سے پھر ایک ہو کر صبح تک بارہ بجتے ہیں اور کہتے ہیں حالا سہ ساعت روز آمدہ اور حالا دو ساعت روز باقی ست۔ [۱۰۰]

جلال الدولہ سلطان حسین مرزا، ظل السلطان کا بیٹا سولہ برس کی عمر ہو گی، حاکم شیراز ہے۔ حکومت صاحب دیوان مرزا فتح علی خان برادر قوام الملک کرتا ہے۔ قوام الملک وہی ہے جس کے مقبرہ نے خواجہ حافظ کی قبر کی سمت قبلہ اعلیٰ درجہ کی رونق دی ہے۔

قبر مرزا عباس مدرس کتب حکمت کہ یک ماہ پیش فوت شدہ برابر قبر خواجہ حافظ واقع است در ایران بود کہ بر روع درویش گدا مردم طلبا باغوائے علماء برائے قتلش نوشتند کہ خونش مباح و معتمد الدولہ کہ آں بیچارہ را از دستِ شاں نجات بخشید و علماء را تنبیہ کرد۔

مرزا عباس اشعار عربیہ و تصانیف ملا صدر و شرح منظومہ وغیرہ کتب حکمت را درس می گفت۔ ۲۰۔۴۰ طلبا در درسِ او حاضر بودند۔ شرح بہ قصید ہائے میر زفند اسکی نوشتہ کہ در فارسی قصید ہائے فصیح بودند و دعائے رجبیہ ہم شرح نوشت (ازیں کہ دعائے مذکور در ماہ رجب خوانند)۔ [۱۰۱]

تمام سنگ یشم کا ایک تعویذ ہے۔ گرد ایک لوہے کا جنگلہ ہے۔ گرد بیسیوں قبریں ہیں۔

قبر پر حوض مستطیل بزرگ و عمارتے کہ چہار ستون سنگ دارد بدرازی متوازی قبر خواجہ میر و دو میان وسعت صحن۔

جانب مشرق قبر دائی و قبر عروس معتمد الدولہ فرہاد مرزا مقام مذکور را بسبب قبر خواجہ حافظ حافظیہ گویند و ہر شب جمعہ قریب بہ عصر تا شام اکثر اہل شیراز برائے فاتحہ روند۔ [۱۰۲]

لوح:

چراغ اہلِ معنی خواجہ حافظ
بخواں تاریخش از خاکِ مصلیٰ [۱۰۳]

بر سر تربت چو گزری ہمت خواہ
کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود[104]

مژدہء وصل تو کو کز سرِ جاں برخیزم
طائرِ قدسم واز دامِ جہاں برخیزم
بوفائے تو کہ گر بندہء خویشم خوانی
از سرِ خواجگئِ کون و مکاں برخیزم
یارب از ابرِ ہدایت برساں بارانے
پیشتر زانکہ چو گردے زمیاں برخیزم
بر سر تربتِ ما بے مئے و مُطرب منشیں
تا بہ شوقت زلحد رقص کناں برخیزم
گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوش دہ
تا سحر گہ ز کنارِ تو جواں برخیزم
خیز و بالا بنما اے بُتِ شیریں حرکات
کہ چو حافظ ز سر جان و جہاں برخیزم[105]
اے دل غلامِ شاہِ جہاں باش و شاہ باش
پیوستہ در حمایتِ لُطفِ الہ باش
از خارجی ہزار بیک جو نمی خُرم
گو کوہ تا بہ کوہ منافق گیاہ باش
آں را کہ دوستئِ علی نیست کافر است
گو زاہدِ زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بولائے تو یا علی
فردا بروحِ پاکِ اماماں گواہ باش
قبرِ امام ہشتم سلطانِ دیں رضا
از جاں بوس و بر درِ آں بارگاہ باش
حافظ طریقِ بندگئِ شاہ پیشہ کُن
وانگاہ در طریق چو مردانِ راہ باش[106]

سات نومبر ۸۵ء، انتیس محرم ۱۳۰۳ھ، روز شنبہ

شیخ سعدی کی قبر پر گیا۔ بڑے بڑے عالی شان در کا ایک ایوان ہے داہنے ہاتھ کے تین در کھلے ہیں۔ بائیں طرف کے دو در بند ہیں۔ آخر کے در میں شیخ کی قبر ہے۔ سنگ باسی کا تعویذ ہے۔ گز بھر بلند صفحہ قبر پر اشعار نعتیہ بوستان کے انتخاب کر کے بصورتِ ذیل کندہ کیے ہیں۔ یہ عمارت عالی شان ہے اور سامنے در اور اندر حجرے ہیں۔ عین مقابل میں دروازہ رکھا ہے، دائیں بائیں بلند دیواریں ہیں۔

صدر عمارت کے آگے تین چار گز کا اونچا چبوترہ رکھا ہے۔ اس میں ایک مستطیل حوض بھی ہے مگر مختصر۔ صحن میں سرو وغیرہ کے درخت ہیں۔ دائیں پہلو عمارت میں گاؤں آباد ہے۔ بائیں پہلو پر ایک بقال کی دُکان ہے۔ دیہہ مذکور کا دہی بہت مشہور ہے۔ لڑکے عورتیں اور تمام لوگ سیر کو جاتے ہیں تو دہی اکثر کھاتے ہیں۔ قبر شیخ پر پہلے ایک تعویذ تھا کہ عہدِ اتابک میں لگایا گیا۔ وہ عمارت گردشِ زمانہ سے فرسودہ اور تعویذ جدا ہو گیا۔ چند بار امام

نے توڑ بھی ڈالا۔ اس کا ایک ٹکڑا وہاں پڑا ہے۔ وہ ایک چار طاق تھا۔ عمارت موجودہ کریم خان ژند نے تعمیر کی۔ غالباً [کذا] کے پس و پیش میں بنی ہوگی۔ شیخ حسین ناظم شریعت نے بیس پچیس برس ہوئے، کئی من کا سنگِ تعویذ تڑوا ڈالا۔ مرزا علی اکبر قوام صاحبِ دیوان کے باپ نے پھر پتھر موجودہ کو لگوایا۔

چبوترے پر متفرق اشخاص کی قبریں ہیں۔ ہر ایک پر تین تین چار چار سطریں بھی کندہ ہیں۔ کہاں تک پڑھتا کہ مجھے بہت کام تھے اور آج سب سے زیادہ کام یہ تھا کہ کپڑے دھلوانے تھے۔ ایک تاریخ قابلِ تحریر ہے کہ ملّا علی حکیم کی قبر پر ہے انھوں نے اپنی صلاحیتِ نفس کے سبب سے خاص وعام میں قطب کا لقب حاصل کیا تھا۔ جب مر گئے تو مرزا علی انصاری متخلص نے تاریخ کہی۔

از دائرہ قطب رفت بیروں[۱۰۷]

یہ ان کی قبر پر کندہ ہے۔

لوح مزار شیخ سعدی رحمۃ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انت الباقی و کل شیءِ ھالک

کریم السجایا جمیل الشیم   نبی البرایا شفیع الامم
شفیع الوریٰ خواجہ بعث نشر   امام الوریٰ صدر دیوان حشر
امامِ رسل پیشوائے سبیل   امینِ خدا مہبط جبرئیل[۱۰۸]
شفیع مطاع نبیٌ کریم   قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم[۱۰۹]
نماند بعصیاں کسے در گرد   کہ دارد چنیں سیّد پیشرو
چہ نعتِ پسندیدہ گویم تُرا   علیک الصلٰوۃ ای نبی الوریٰ
درودِ ملک برروانِ تو باد   بر آلِ تو و پیروانِ تو باد
خصوصاً شہنشاہِ دلدل سوار   علی ولی صاحبِ ذوالفقار
خدایا بحقِ بنی فاطمہ   کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر طاعتم رد کنی ور قبول   من دوست وداماںِ آلِ رسول
خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد   زمیں بوس قدرِ تو جبریل کرد

ترا عزّ لولاک تمکیں بس است   ثناء تو طٰہٰ و یٰسین بس است
بود اہلِ عالم ز وصفِ تو لال   قران از قیاس است جاہ و جلال

چہ وصفت کند سعدیِ ناتمام
علیک الصلٰوۃ وعلیہ السلام [۱۱۰]

مرزا علی اکبر شیرازی اول قوامِ شیراز بود و قوام خطاب امارت است از طرف بادشاہ وبس قوام مذکور دو پسر داشت مرزا علی محمد خان کہ ذکرش در ذیل قبر خواجہ حافظؔ۔ دوم مرزا فتح علی خان کہ حالا صاحب دیوان شیراز است بہ نیابت جلال الدولہ حکومتِ شیراز می کند صاحبِ دیوان مقبرہ برادرِ برابر حافظیہ تعمیر کردہ و باغِ دل کشا در راہِ سعدیہ تعمیر کردہ کہ ہنوز نا تمام است بو قلمون ہائے بسیار در انجا گذاشتہ اکثر مردان و زنان تنہا سال بسال روند۔ فیروز آبادؔ از توابع شیراز است۔ تقریباً دو منزلے شیراز از جانبِ مغرب واقع است در عہدِ قدیم خیلے آباداں بودہ و بیشتر آبادیش بر بالائے کوہ بودہ چنانچہ آثار عمرانات آں از منازل منہدمہ و باد آسیاہائے برباد ہنوز باقی ست۔ محمد ابنِ یعقوب محمد الدین فیروز آبادی از آں جا بودہ۔

فساءؔ از مضافات شیراز ست دو منزلے شیراز بر جانب جنوب واقع است قصبہ بر رگیست و سید علی خان بلاغت صاحب شرح صمدیہ و صحیفہ سجادیہ از انجاست۔

بیضاء۔ از متعلقات شیراز بودہ سہ منزل جانبِ شمال ناصر ابن ابن عبد اللہ بیضاوی صاحبِ تفسیر بیضاوی (۴۶) از انجاست۔ [۱۱۱]

سفر من از شیراز تا اصفہان و تہران

شہر شیراز میں پندرہ دن توقف کیا۔ دو صفر ۱۳۰۳ھ، سہ شنبہ، دس نومبر ۱۸۸۵ء کو روانہ ہوا۔ اگرچہ اس عرصہ میں روانگی کے لیے مضطر رہا اور شدت سرما کا خوف ہر وقت سامنے تھا مگر اس لحاظ سے کہ شیراز جیسے شہر میں ٹھیرنا ہوا، یہ توقف بیکار بھی نہیں ہو سکتا اور توقف حقیقت میں وہ بھی ایک دو دن آخر کے ہیں جو کہ نواب مرزا علی خان صدر کے ہاں گزرے کیونکہ معلومات کا سامان یہاں کمال وفور کے ساتھ ملا۔ نوّاب جس طرح مال و دولت اور جاہ و منصب سے امیر ایسے ہی علم و فضل اور کتب خانہ کے اعتبار سے بھی امیر ہیں۔ افسوس ان تیرہ دن کا جو مرزا علی

اکبر کے گھر گزرے۔ اس بیچارے غریب زادہ کو جس نقطہ پر دیکھو اپنی غربت اور افلاس سے واجب الرحم ہے۔ میں نے اپنے علم و آگاہی سے جو کچھ دیا اپنے حوصلے سے بہت زیادہ تھا اور اُس پر ایک وقت بھی مہمانی کا بوجھ نہ ڈالا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں دونوں وقت ماحضر حاضر کر دیا کروں گا آپ مجھے مصارف دے دیا کریں۔ میں نے تین دن کے امتحان کے بعد اس سے بھی پیچھا چھڑایا کیونکہ تیسرے دن اُس کے بوڑھے باپ نے دیکھا کہ مہمان نے جو بقّیہ زاد سفر کا تھا، گھی وغیرہ گھر میں بھیج دیا اور دونوں وقت گوشت پکواتا ہے، تو وہ بھی آن موجود ہوا بلکہ نواسوں کو بھی بلا بلا کر بٹھانے لگا۔ میں گھبرا کر الگ ہو گیا۔ یہ بوڑھا لوہار ہے بندوقیں بناتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ کیا لکھنا شروع کیا تھا کیا لکھنے لگا۔

اس سفر میں کہ خدا مبارک کرے پانچ تومان کرایہ شیراز سے ملہانَ تک ٹھیرا ہے، حسین علی خان خلف الصدق نور محمد خان رئیس کُدّم کے ساتھ ہم کجاوہ ہوں۔

بارہ صفر، جمعہ، آبادہ

حاجی ملا عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ تلگراف خانہ ہے۔ آغا نور سے ملاقات ہوئی۔ آج کا مقام دلچسپ تھا۔

تیرہ صفر شنبہ، سلجستان

گاؤں خراب ہے ہر بات کی تکلیف ۔یہاں حاکم فیل بان سے ملا ۔وزیر نوکر (کہنہ)

چودہ یک شنبہ

تعمیر مسجد فی سنہ خمس ماءۃ من تاریخ الہجریۃ المصطفویۃِ وبناء ابواب الخشبیۃ لہا من حیث الوقف فی سنۃ خمس و خمسین و ست ماءتہِ الہجریۃِ بمع ہاجرہا الف الف صلٰوۃِ و تحیۃِ والواقفُ لابوابہا امیر الاعظم شمس الدین واقفُ باب المسجد امیر الاعظم علماء الدین فی سنۃ اربعین و ثمانمائیۃ۔[112]

پندرہ صفر دوشنبہ

امن آباد میں تین فرسخ پر بر لبِ نہر ٹھیرے۔ یہاں ایک سرائے شاہ عباس اور حمام ہے مگر مرمّت طلب۔ معصومہ میں منزل ہوئی۔ ویران مفلس کنگلا ہے۔

مر آباد۔ مر آباد میں منزل ہوئی ۔سرائے ویران گاؤں دور اور ویران، ہر بات کی تکلیف ہے۔

بائیس صفر دوشنبہ

اصفہان سے تہران کے دو رستہ ہیں۔ چلنے لگے تو مشورت ہوئی کہ دن کا رستہ بہت ٹھنڈا ہے۔ میمہ اور مورچہ خاک کے رستہ میں اگرچہ دو دن کا پھیر ہے مگر ذرا گرم ہے اس لیے اس رستے روانہ ہوئے۔ تین فرسخ چل کر مقام گز میں منزل ہوئی۔ ایک کچی سرائے میں اُترے۔ اگرچہ شاہ عباس کی عالی شان سرائے سامنے ہے مگر اس غرض سے کہ یہ شہر سے ملی ہوئی ہے اس لیے اسی میں اُترے۔ شہر میں باسی روٹی شاہی کو ایک ٹکڑا پنیر کا شاہی کو سوا چھٹانک ڈیڑھ چھٹانک کھجوریں، شاہی کے چودہ اخروٹ ملتے ہیں۔ میں نے کھجور و روٹی پر گزارہ کیا۔

شام کو میں نکلا کہ کچھ کھانے کو ہو تو لاؤں ایک مجلس کی آواز کان میں آئی، جا کر شامل ہوا اور فیض عظیم پایا۔ دو چھوٹی چھوٹی پیالیاں چائے کی پی کر رخصت ہوا۔ یہاں قہرمان خان کہ لشکر ظل السلطان میں منصب سلطان رکھتے ہیں، معہ عیال آکر شامل ہوئے۔ نہایت بااخلاق اور بزرگانہ مزاج رکھتے ہیں۔

تئیس صفر، سہ شنبہ

مورچہ خاک میں منزل ہوئی۔ عجیب ویران اور بے برکت گاؤں ہے۔ ایک حاجی اور میں گاؤں میں گئے کہ کچھ کھانے کو لائیں۔ جس سے پوچھتے ہیں کہ روٹی ہے وہی نہیں۔ فکرِ نان میں حاجی کو بھی شوق دامن گیر ہوا کہ ایک گھر خالی نہ چھوڑوں، آگے وہ پیچھے میں۔ وہ کہے صاحبِ خانہ روٹی ہے گھر میں سے کوئی لڑکا لڑکی کوئی عورت کہے نہیں۔ میں کہوں الحمدللہ۔ حاجی کہے مرغ ہست؟[۱۳] میں کہوں خدا نکند۔[۱۴] حاجی پوچھیں تخم مُرغ ہست؟[۱۵] میں کہوں انشاء اللہ نباشد۔[۱۶] حاجی کے پاس پہلی منزل کی روٹی تھی۔ وہ واپس آیا۔ آخر ایک جگہ چند شخص بیٹھے تھے۔ ایک شخص کو مرد آدمی سمجھ کر میں نے کہا کہ آغا ایں پول حاضر است مگر شا بدانید بقیمت مید ہید۔ لِلہ بدہید۔[۱۷] اُس نے سفارش کی۔ جب اس شخص نے سوائے قیمت لے کر چار خشک روٹیاں دیں۔ وہ لے کر خدا کا شکر کرتا واپس آیا۔ یہاں بھی کارواں سرائے عالی شاہ عباس کی ہے۔ چاروں طرف کا میدان خالی از لطف نہ تھا۔

چوبیس صفر، چہار شنبہ

کارواں سرائے شاہ عباس، روٹیاں وافر، گوشت پکا ہوا موجود، لوگوں کے عمدہ اخلاق، ایک آبادی بلندی پر، ایک سطح زمین پر۔ میں آخوند مرزا جعفر سے ملا۔ تین انار تحفہ دیے، انگور بہت تھے مگر تُرش تھے۔

پچیس صفر، پنج شنبہ

قہردہ۔ آغا ابراہیم خجندی سے ملاقات ہوئی۔ یہاں عجیب روضہ خوانی دیکھی اور آج معلوم ہوا کہ شبیہ کشیدن[۱۱۸] سے کیا مطلب ہوتا ہے۔ بڑی لمبی اور پھیلی ہوئی آبادی اور بر خلاف تمام ملک کے بلندی پر آباد ہے۔ درہ میں اور بلندیوں پر، اقسام میوہ جات کے باغ پٹے ہوئے ہیں، کھجوریں بھی ہیں۔

چھبیس صفر، جمعہ

کاشان میں شام کو پہنچے۔ سرائے دم دروازہ میں اُترے۔ فصیل کے اندر اور گرد شہر بھی ویران پڑا ہے۔ بازار شہر کے پٹے ہوئے ہیں۔ خوب آباد ہے۔ یہاں کی مسگری خوبی میں مشہور ہے۔ دروازہ فین کے باہر واقع ہے۔ فین نہر کا نام ہے کہ شہر کے نیچے بہتی ہے ملّا محسن فیض کا مقبرہ آخوند فیض کے نام سے مشہور ہے۔ ملّا فتح اللہ صاحب تفسیر منہاج الصادقین کی قبر ہے۔ بابا شجاع الدین کی قبر ہے۔

ستائیس صفر، ہفتہ

آج مقام تھا، امام رضا اور جناب امام حسن علیہ السلام کی شہادت تھی۔ دکانیں اکثر بند تھیں۔ ایک جگہ بازار میں علم اور حلقہ ماتم دیکھا۔ ایک جگہ قصہ خوان نے ایک پردہ پر تصویر صورتِ حال نقش کر کے گزر گاہِ عام میں دیوار پر آویزاں کی تھی اور فصاحت کی داد دے رہا تھا۔ رات کو کوچ ہوا۔

اٹھائیس صفر، اتوار

بن بن جنگل میں اُترے۔ سرائے شاہ عباس کیا اثر کر سکتی تھی۔ روکھی روٹی چبائی اور جوئیں چُنیں۔

انتیس صفر، پیر

پاسنگون (پائے سنگان) حاجی آغا جعفر کی سرائے میں اُترے۔ جنگل میدان میں اُترے۔ آب انبار میں پانی بھرا تھا۔ ایک قہوہ خانہ بھی تھا۔ دو تین قہوچی شیطان گانے بجانے میں اُستاد تھے اور بد معاشی میں چالاک۔ رات کو عمدہ اور سفید پوش اشخاص کہ اکثر مع عیال تھے تہران سے آکر اُترے۔ ان میں ایک نوجوان لڑکا مِلا کہ باسامان تھا اور معلوم ہوا کہ آٹھویں پشت میں ملا باقر مجلسی کا پوتا ہے، مرزا محمد عرف مرزا کوچک نام ہے۔ ان میں مرزا ترک ملازم ظل السلطان کے ہیں کہ نے نوازی اور موسیقی میں مہارت کامل رکھتے ہیں، اُن کے اخلاق خاکساری اور مسافر نوازی کا آزاد شکر گزار ہے۔

یکم ربیع الاول، سہ شنبہ کو پہلے حضرت کے آستانہ پر معصومہ قم میں حاضر ہوئے۔ شیخ ابن علی بابویہ کے مزار پر جاکر فاتحہ پڑھی۔

دو ربیع الاول، چار شنبہ کو منزل ہے۔ قاتر ڈھونڈ تا ہوں بنیاد حسین ولد تصدق حسین سّید زیدی ترمذی مع اپنے باپ کے مشہد مقدّس سے آئے ہوئے ہیں کربلائے معلّٰی جائیں گے۔ سّید حسین ایک شخص، کہتے ہیں کہ میں آگرہ کا ہوں۔

از طہران تا مشہد:

۲۲/ جمادی الاول از طہران شاہ عبد العظیم یک فرسخ برادر حقیقی امام غریب انجام رضاء علیہ السلام ہستند۔ گنبد امام زادہ طاہر در برابر شاں و امام زادہ حمزہ در پہلوئے شاں امام زادہ حمزہ پسر امام زین العابدین علیہ السلام شیخ ابن بابویہ قمی علیہ الرحمۃ از شاہ عبد العظیم تا خاتون آباد ۵ فرسخ بر کنار چشمہ علے مدفون اند۔ عمارت نو تعمیر است کہ شاہ تجدید آں کردہ در اصل قبر طغرل نگیں بودہ از کتابے کہ در کتب خانہ مشہد بود بہ تحقیق رسید۔

۲۲/ جمادی الاول ۱۳۰۴ھ یک شنبہ

از طہران بر آمدہ بشاہ عبد العظیم رحمۃ اللہ مقام کردم۔ برادرِ حقیقی امام رضا علیہ السلام ہستند۔ امام زادہ طاہر رحمہ و ہم شاہزداہ حمزہ در پہلوِ شاں ہستند۔ شاہزادہ حمزہ پسر امام زہن العابدین ہستند بعدہ برائے فاتحہ بر قبر شیخ ابن بابویہ قمی علیہ الرحمۃ رفتم۔ بر کنار چشمہ علی قبر مقدس واقع شدہ۔ جانب جنوب مینادار عمارت است کہ اول قبر پادشاہ گم نام مشہور بود۔ چوں شاہ بزیارت مشہدِ مقدس رفت در کتاب خانہ حضرت کتابے یافت ازاں معلوم شد قبر طغرل نگین است عمارت یکہ شکستہ ریختہ بود آں را تجدید فرمود۔[۱۱۹]

۲۳/ جمادی الاول

از خاتون آباد تا ایوان کیف۔ ۷ فرسخ بد جائیست سرائے خراب بد عمارت برائے خورش ہم ہیچ نیافتم۔

۲۴/ جمادی الاول۔ (ایوان کیف قشلان)

۲۵/ جمادی الاول۔ (قشلان دہ نمک)

۵ فرسخ در راہ اردون دہے یافتم دراں عمارتے بلند سہ منزلہ بہ خوف ترکماناں ساختہ بود۔

۲۶ر جمادی الاول۔ دہ نمک لاسگرد۔ ۷ فرسخ دریں جاہم۔ عمارت مذکور دریں جامراد علی نام ہمسایہ رادیدم از قیدِ غلامی خلاص شدہ ۲۶ سال بہ بخارابودہ۔

۲۷ر جمادی الاول۔ لاسگرد۔ سمنان ۴ فرسخ۔

۲۸ر جمادی الاول۔ یک روز قشلان کردیم۔

۲۹ جمادی الاول۔ سمنان۔ اہوان۔ ۶ فرسخ دراہوان آب خیلے کم یاب۔ کنار آب خیلے زحمت کشیدم چوں سہ فرسخ درمنزل باقی ماندہ دیدم برف موجوداست وآں زیادشدہ ہرقت تاکہ رسیدیم بمنزل اہوان تمامتر راہ سفید سرائے شاہ عباسی راحاجی علی نقی مرمت کردہ بود ۸۵ء۔

۳۰ر جمادی الاول۔ اہوان۔ خوشہ ۶ فرسخ منزل بالکل ویران تمام راہ آب می بود برف برطرف شد مگر خشک بدستور آغا محمد یوسف (بہ دکتور محمد یوسف) ملاقات شد کہ برسالہ غلامان خاصہ داکتر ہستند۔[۱۲۰]

ا۔ قوشہ۔ دامغان ۶ فرسخ ایں منزل ہم بالکل ویران دامغان تمام راہ سراب دربیرون شہر کارواں سرائے شاہ سلیمان صفوی۔

۲۔ دامغان تادہ ملا ۷ فرسخ راہ خوب۔

۳۔ دہ تاملا تاشاہ رود دہ فرسخ راہ خوب۔

۴۔ شاہ رود تامیاجے ۱۰ فرسخ۔

میاجے تامہاں دشت ۶ فرسخ۔

مہاں دشت تاعباس آباد ۶ فرسخ۔

طہران تاقزوین۔

طہران تاکرج ۶ فرسخ۔

کرج تاگازرسنگ ۶ فرسخ۔

گازرسنگ تاعبداللہ آباد ۶ فرسخ۔

عبداللہ آباد تاقزوین ۴ فرسخ۔

طہران تارباط کریم ۶ فرسخ۔

رباط کریم تا خان آباد ۹ فرسخ۔

خان آباد تا کوشلک ۶ فرسخ۔

کوشلک تا آزاده ۶ فرسخ۔

آزاده تا نیاوراں ۶ فرسخ۔

نیاوراں تا تاوراں ۶ فرسخ۔

تاوراں تا عبداللہ آباد ۶ فرسخ۔

عبداللہ آباد تا ہمدان ۶ فرسخ۔ ۴۱

۱۶ر جمادی الثانی یوم سہ شنبہ

سبزوار (۴۷)۔ آغا مرزا عبدالغفور دام مجدہم را در تلگراف خانہ دیدم۔ باخلاق کریمانہ پیش آمد۔ قائمقام آغا محمد اسمٰعیل خان سرہنگ کار تلگراف خانہ را سرانجام می دہند۔

مسجد جامع بزرگ بنائیست مگر کسے نمیداند کے تعمیر شدہ از علماء و طلباء معمر سوال کردم۔ خندہ کردند و گفتند۔ ایں بما تعلق ندارد۔ شخصے گفت کہ دخترے برائے نواب بانئ ایں گشتہ بود۔ البتہ ۴ صد سال شدہ باشد۔ شخصے گفت کہ ایوان پیشبند یعنی دروازہ و دم دروازہ اول بست عمارتے داشت ۵۰ سال ست کہ تعمیر شدہ۔ مابچہ بودیم و میدیدیم گویند آغائے شریعت مدار تعمیر کردہ۔

مدرسہ دارد کہ گویند در عہد نادر تعمیر شدہ۔ تاریخ بہ پیشانی دروازہ منقوش۔

وایں لفظ آخر ہیچ معنی ندارد۔ پُرسیدم کس جواب نداد ایں مدرسہ بدرسہ حاجی ملاہادی شیر ازی شہرت دارد ۶ سال ست کہ مرحوم شدند۔ بیرون شہر مقبرہ شان است (خدا رحمت کند) علم آلہیات را بہ قرآن و حدیث ربطے دادہ بودند کہ خود صاحب طرز تواں گفت صاحبدل و اہل اللہ و مقدس مردے بود۔

مدرسہ دیگر جناب شریعت مدار حاجی مرزا ابراہیم تعمیر فرمودہ کہ ہنوز عمارتش جاری است جزو گرد منارش مائل بہ انہدام بود۔ شاہ خلد اللہ ملکہٗ در سفر مشہد مقدس سکونے دور منار را تعمیر کردہ حالش از انجا تواں دانست۔

در سبزوار تریاک بسیار میکارند دور گون آباد نوبت بجائے رسیدہ کہ گندم از خاف می آرند ۸ منزل ست زغال تاغی از صحراہوئے سبزوار خیزد بہ مشہد ہم ازیں جا میبرند۔

شہر بہسن دو فرسخ پیش از سبز وار در راہ طہران آباد بود کہ کلوخ آں ہم نماندہ ہم بخاک برابر شدہ۔ گون آباد از سبز وار جانب دست راست قصبہ ہست ۱۲ فرسخ۔

در راہ بمنزل دہنان آبے می آید کہ پل ابریشہ برائے آں بستہ اند مگر در صحرا آخوند ملا سلطان علی مردے صاحبِ کشف و اہل اللہ در آنجا موجود است۔

از میاجے اکبر دامان کوہ۔ کتل بِندَرُن برخون کلاہ استر آباد مدرسہ منصبیہ کہ حاجی ملا ہادی درس می داد۔ مدرسہ فخریہ ضائع آں را ساختہ بود۔ غالباً از بند ہائے شاہ عباس بود بسطام از شاہ رود یک فرسخ دست راست۔

در معصومہ قم فتح علی شاہ،(۴۸) شاہ عباس، بادشاہ ناصر الدین شاہ، عباس مرزا در مشہد نبیر الدولہ حاکم سبز وار پسر فتح علی شاہ ۶۰ سالہ باشد۔ نادر قلی مرزا بہ صفی آباد رفتہ بود کہ ۱۰ فرسخے سبز وار است نزد بہ سبز دار۔ وہ بدنام آدے ہست۔ اصل نامش حسین آباد بود۔ شخصے بود از آنجا برامد۔ بجمع پول نام خود ابو بکر ظاہر کرد۔ ازاں روز بدہ بدنام شہرت گرفت۔ نادر قلی مرزا پسر شاہ عباس باشد قابل تحقیق۔ [۱۲۲]

بناء فساد دربارۂ آصف الدولہ حکم تعدیل بود۔ مقدمہ حاجی عبد الکریم روغن نفط بر آتش ریخت کہ می گفت پول بہ تقاریق می دہم۔ آصف الدولہ بگفت قرض خواہان بزور درد اداو خود را بہ بست انداخت آئیں نہ در گرفت حاجی مرزا ابراہیم در مشہد بود۔ آغا محمد علی در سبز وار بود بہ سبب نزاع براداں نزاع سخت است۔ بادشاہ ہم نوشت مرزا محمد علی جواب انکار نوشت۔ آغا محمد علی کثیر البکا صاحبدل آدم است۔ بر خلاف آغائے بزرگ آغا محمد نقی در نقوی و زید از دہم فائق تر است آغائے بزرگ پست تر بس نماز میکند در علم آغا بزرگ و آغائے محمد علی و ایں سید از خانوادۂ بزرگ است با اینہا تعلق ندارد۔ ۵ برادر ہستند (۱) حاجی مرزا ابراہیم شریعت مدار۔ (۲) حاجی مرزا محمد علی۔ (۳) حاجی مرزا عبد الکریم۔ (۴) حاجی مرزا حسن۔ (۵) حاجی مرزا زین العابدین در مشہد است صاحب اجتہاد۔ سبز وار اصلش شدہ گویند حضرت امام حسن(۴۹) کہ فارس را فتح کردند جناب امیر علیہ السلام سفارش کردہ بودند کہ در آنجا کہ برسی شہرے آباد است۔ نشان پُرسید گفت دامنے برابر جوئے کہن و جا بجا پرس چائے کہ ترا بسر شود ہمانجاست۔ چنانچہ ظہور یافت و ایں حلیہ مدح است مدح خاکستر ہم بہ نفرین حضرتؑ خاکستر شدہ کہ در ہرات تا حال موجود است۔

۱۸ ر جمادی الثانی یوم پنجشنبہ

شوراب۔ مرزا مشتشار الملک بنا کردہ ۱۵ سال می شود۔ آب انبار ہاہمہ شور۔ مردم آب از کاریز میخورند منزل ماز عفرانی بود مگر ما بہ سبب بارش بر در رباط سریوش منزل کردہ بودیم۔ آخر شب کوچ کردیم در راہ راہ روروشِ زعفرانی

را دیدیم از دور قلعه خوش نما نمایاں شد۔ در کاررواں سرائے آصف الدولہ پائیں بود۔ کارواں سرائے دور قدیم است۔ شاہزادہ حمزہ مرزا دوبار تجدید کرد۔ در راہ از ہمراہیان آصف الدولہ چند قاتر مردہ خر درو حل شدند۔ کربلائے ملا حسن را لاقات کردم۔

۲۰ر جمادی الثانی روز شنبہ

طاق کردن۔ مگر اصطلاح اہل اصفہان است در اینجا ہم فصحا نمی گویند۔ ''سر بود'' بالا بود۔ ہر چہ در قیمت دو چیز زیادی می باشد بما بالا بودش۔ اما فصحاء بر سر اکتفا کنند۔ ملا عبائے خود را بہ عبائے بندہ عیوض کنید۔ پنج ہزار سر بگیرید۔ عامہ گویند۔ ہر چہ سر بودش باشد۔ بگیرید۔ کندہ زانو بندِ زانو۔ جاہل دختر نوجوان۔ جیغ آواز و صدا یک جیغ را باشد تر ست۔ مگر اصطلاح اہل صحرا وایلات است آغا مرزا مہدی شیرازی تلگرافچی۔ حسن قلیخان سرہنگ رئیس تلگراف خانہ در نیشاپور وطن دارند۔ حاجی محمد باقر خان معزول مرزا محمد حسن مستعفی نائب الحکومت۔

مسجد جامع نیشاپور۔ تاریخ بناء اصل مسجد ۸۹۹ھ بودہ کہ علی کرخی تعمیر کردہ بود۔ و کُرخ بالضم ہیست از دہات ہرات مقابل قوشنج کہ نیز دہیست از دہات ہرات۔ قبر علی کُرخی در زیر زینے بایوان دروازۂ مسجد موجود است۔

آغا شیخ فضل اللہ صاحبزادۂ آغا شیخ الاسلام۔ و آغا ملا روح الدین۔ ۴ برادر ہستند۔ آغا شیخ ابراہیم۔ آغا شیخ مذکور و آغا شیخ مسعود۔ آغا شیخ عبد الحسن۔ تقریباً صد و بست سال ست کہ بزرگان شاں از شاہجہاں آباد ہند د بمشہد رضوی تشریف آوردند۔ ملا رفعت و ملا عزت چوں در مشہد بلوائے اورنگ بود در نیشاپور سکونت اختیار کردند۔ اواخر صفویہ و آغاز دولت قاچریہ بود۔ ہر چہار برادر صاحب اخلاق کریمانہ یادگار بزرگانِ خود ہستند۔

قبر شیخ فرید الدین عطار (۵۰) ہمیں جاست۔ در شہر کہنہ نیشاپور کہ بہ شہر مریم شہرتے دارد۔ و آں بناء شاد باغ باشد۔ و شاد باغ۔ بادشاہی از سلاطین نیشاپور ہفت مرتبہ خراب و آباد شدہ گاہے برف خراب کرد۔ گاہے زلزلہ گاہے سیلاب۔ گاہے سنگ باراں۔ پنجم گلگیر۔ ششم آواخر افغان شاہ درانی بودہ۔

ترب آباد۔ حالا دہیست کہ در آنجا عمارت الب ارسلانی است۔ بر بالائے تپہ و آبادی ہوئے عالی محل و عمارات و حمّام و غیر آں باقی ست۔

قبر فضل ابن شاداں تقریباً یک فرسخ راہ دور از شہر موجود است۔ بر قبل مطہر آں مرحوم نوشند کہ شخصے وارد جدید حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام را دید کہ کتابے ملاحظہ می فرمایند۔ پُرسید۔ یا حضرت چیست کہ مطالعہ می فرمائید فرمود احادیثے است کہ فضل جمع کردہ۔ باز نگاہ می فرمودند و صفحہ بہ صفحہ ورق ورق آن را میدیدند و میفرمودند

سزوارست کہ بایں کتاب عمل کنند۔ در مجلسے دیگر است کہ حضرت فرمود رحمۃ اللہ الفضل۔ رحمۃ اللہ الفضل۔ رحمۃ اللہ الفضل۔ وبر روایتِ دیگر اغبطوا اہل الخیر بہ مکان الفضل۔

شیخ ابوالحسن شاہزادہ محمد محروق۔ بارگاہ خوبے دارد امام زادہ ہست۔ و امام زادہا محمد باقر۔ شاہ سلطان حسین اصغر وغیرہ وچند دیگر ہستند (شہرت عام ست کہ ۱۲ ہزار عُرف درینجا مدفون ست)۔ [۱۲۳]

قبر نادر مشہد میں بمقام بالا خیابان ہے۔ مکان مذکور میں قبان خانہ ہے۔ ایک بڑا سا چبوترہ اُس پر نادر کشور گڑ پڑت [کذا] سوتے ہیں۔

میاجے۔ معمولی جگہ ہے۔ یہاں سے میان دشت چھ فرسخ معمولی راہ اور معمولی حالت۔

میاں دشت معمولی جگہ ہے یہاں سے عباس آباد چھ فرسخ۔

عباس آباد معمولی جگہ ہے۔ یہاں سے مزینا چھ فرسخ۔ راستہ میں پانی رود خانہ کا پھیلا ہوا تھا۔ قاتر پر بہت تکلیف پائی۔ بیچ میں ایک پُل تین در کا کھڑا کیا مگر کیا فائدہ، اسے پُل ابریشم کہتے ہیں۔ مزنیاں معمولی جگہ ہے چار فرسخ نوروز تھا۔

سود خوران ایک معمولی آباد گاؤں ہے۔ ملاؤں سے ملاقاتیں کیں اور چند کتابیں خریدیں، یہاں سے الوند چار فرسخ ہے۔

الوند ایک معمولی گاؤں ہے۔ چار فرسخ سبزوار ہے۔

سبزوار۔ ایک دن اتراق رہا۔ حال یہاں کا جدا لکھا ہے۔ یہاں سے زعفرانی چھ فرسخ۔ مینہ نے راستے میں بڑی تکلیف دی۔

زعفرانی، اس کا خوش نما عمدہ قلعہ دور سے نہایت خوشنما معلوم ہوا۔ پاس پہنچے تو اندر سے ویران۔ آصف الدولہ مع ہمراہیوں کے یہاں اُترے ہوئے تھے، دیکھ کر خوفِ خدا آیا کہ ایک ساتھ اِتنے آدمی روزگار سے جاتے رہے۔ رستہ میں کیچڑ بہت تھی کئی خچر آصف الدولہ کے رستہ میں برباد ہوئے۔ یہاں سے شوراب پانچ فرسخ ہے۔

شوراب۔ معمولی گاؤں ہے مگر افسوس یہ کہ تمام شور آب انبار تک شور ہے۔ چشمہ اور کاریز کا پانی پیا۔ کارواں سرائے مستشار الملک نے بنائی ہے دس سال ہوئے۔ در راہِ کربلا ملا حسن را ملاقات کردم [۱۲۴]۔ از شوراب تا نیشاپور ۶ فرسخ۔ حال جدا لکھا ہوا ہے۔ نیشاپور سے قدم گاہ پانچ فرسخ۔

قدم گاہ معمولی آباد جگہ ہے۔ آخر شب برف پڑنی شروع ہوئی اور ہم چل کھڑے ہوئے۔ رستہ میں وہ تکلیف اٹھائی کہ مرنے میں کچھ فرق نہ تھا۔ رستہ میں ایک رباط میں اُتر پڑے۔ رباط سے چار فرسخ طے کر کے برف آباد میں پہنچے۔ معمولی آباد گاؤں ہے۔

برف آباد سے روانہ ہوئے تو تمام رستہ سفید تھا۔ برف عالم گیر برسی ہے۔ رستہ میں چند چھوٹے چھوٹے آثار فرہاد پیش آئے اور چونکہ ایران کے رستوں میں خصوصاً راہ مشہد میں تمام روئے زمین تختہ ہموار ہے اس لیے ظاہر کرنا واجب ہوا۔ جب قبہ مبارک نمودار ہوا دل آب ہو گیا۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ ڈیڑھ فرسخ شہر رہا تو ایک دو ٹوٹے پھوٹے گھر اور ایک کارواں سرائے پختہ شکستہ حال ملی۔ معلوم ہوا کہ اس کا نام "طُرق" ہے اور یہی مقام ہے جو قصیدہ کے تیسرے شعر میں ہے کہ جد مرحوم پڑھا کرتے تھے اور ان کے بستوں میں مختلف اس کی نقول نکلا کرتی تھیں کہ بنیت ثواب لکھا کرتے تھے اور رکھ چھوڑتے تھے تاکہ جس کے ہاتھ پڑے پڑھے اور ثوابِ عام ہو۔ وہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ قصیدہ حضرت کے روضہ پر ایک دروازہ کی محراب میں سربلند ہوا ہے۔

یارب ایں ارضِ مقدس چہ مقام است و چہ جاست
کز زمیں تا بہ فلک مظہر انوارِ خدا است [۱۲۵]

جب تک طرق کے یہ حال معلوم نہ ہوں مذکور کیا سمجھ میں آسکتا ہے۔ میں ان سے سنا کرتا تھا کہ اس مقام سے زوار پیادہ ہو جاتے ہیں، میں بھی اُترا اور زمین کو بوسہ دیتا ہوا چلا۔ الحمدللہ کہ دل حاضر اور سینہ گداز تھا اور آنکھیں آنسو دے رہی تھیں۔ زیادہ تر رونا اس مصیبت کا ہے کہ اب نہ ایسے خوش اعتقاد رہے اور نہ وہ درد والے رہے۔ انّا للہ و انّا الیہ رٰجعون۔ [۱۲۶]

۲۳/ جمادی الثانی، یوم دوشنبہ۔ مقام خاتون آباد منزل شد بد جائیست۔ ہیچ نیافتیم کہ میخوردیم۔

۲۴/ جمادی الثانی، یوم سہ شنبہ ۷ فرسخ طے کردہ بایوان کیف رسیدیم بد جائیست برائے خورش ہم چیزے نیافتیم و ایوان ازاں گویند کہ در عہدِ قدیم شاہاں و امراء شگفتہ مزاج دریں گل زمیں آمدہ۔ برائے سرخوشی و کامرانی میدادند۔ چنانچہ تپہ خام نما در پہلو آبادی ہنوز از ایوان مذکور یاد می دہد۔ [۱۲۷]

۲۴/ جمادی الثانی، یوم سہ شنبہ کو واردِ شہر ہوا۔ الحمدللہ و شکر اللہ۔

۲۵/ جمادی الثانی، یوم چہار شنبہ۔ از ایوان کیف کوچ کردہ در راہ دہے اردون نام یافتیم۔ دراں عمارتے مدور خیلے

وسیع یافتیم کہ سہ منزلہ ساختہ بر اں ایوان ہائے سکونت افراختہ بودند۔ معلوم شد کہ ایں ہمہ تکلیف از بیم ترکتازِ ترکماناں بودہ وایں را قلعہ گویند در دہ نمک منزل شد۔ از ایوان کیف قشلاق ۵ فرسخ از قشلاق دہ نمک ۶ فرسخ در کاروان شاہ عباس راحت یافتیم۔

۲۶/ جمادی الثانی، یوم پنج شنبہ۔ دہ نمک دریں دہ ہم عمارت مذکور بنظر آمد۔ مراد علی نام ہمدانی را دیدم کہ از بخارا می آمد۔ دہ سال در آنجا بقید غلامی بود باز ۱۶ سال نوکری کردہ باداۓ بہ چہل تومان پول خود از بند عبودیت وارہانیدہ حالا وطن میرود در لاسگرد منزل شد۔

۲۶/ جمادی الثانی، یوم پنج شنبہ

فاتحہء شیخ بہائی علیہ الرحمۃ خواندم ولد شیخ عبد الحسن العاملی برادر زادۂ شاں شیخ عبد الصمد در گوشۂ مقابل متوازی میخوابند۔ فوائد صمدیہ برائے ہمیں نوشتہ بُودند مگر در قتل گاہ شیخ طوسی علیہ الرحمۃ۔

ہو الحی الذی لایموت

ہو الباقی وکل شیء ہالک الدوجہہ

بدر المرقد شریف والمضجع المنیف للعالم الفاضل الکامل حادی الفروع والاصول جامع المعقول ومنقول الفضل الابن حسن الملکئ ابو علی طبرسی تاب ثراہ شیخ فضیلت مآب بو علی آں کو نداشت۔ ہفت شعر است مگر خواندہ نشد محو شدہ در آخر نوشتہ۔ قد توفی فی الشہر ۵۴۸ھ۔

در صحن کہنہ۔ مقبرہ مرزا جعفر بردم دروازہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہذا المرقد العالم العامل الرحوم المغفور المقدس المسرور محمد ابن الحسن الحر العاملی توفیٰ واحد عشرہ فی شہر رمضان سنہ اربعہ ومائتہ والف۔

۲۷/ جمادی الثانی یوم جمعہ

لاسگرد۔ در کارواں سرائے شاہ عباس راحت یافتیم۔ دگول گہر موجود۔ ازینجا بہ سمنان منزل شد۔ یک روز اتراق۔

۲۹ جمادی الثانی، یوم یک شنبہ

سمنان۔ شہر مختصریست مدرسہ دارد کہ دویمی از مختصر مختصر تر مسجدے خوب دارد۔ حاجی مرزا محسن ترمیش کردہ نام خود را بہ برج شہرت نوشتہ دریجابہ نبیرہ مرزا یغما کہ خلف مرزا اختر باشد ملاقات شد۔ قلیان و چلمہائے برنجی میازد۔ افسوس افسوس۔ میراثِ پدر خواہی علم پدر آموز۔ روز دیگر باہوان دہ رسیدیم۔ شہریت شہر کہ نام و نشانِ آں نیست شدہ۔ خیابانے ساختہ و مکانے حاکم نشین بلند افراختہ۔ [۱۲۸]

سنمان تااہوان ۶ فرسخ۔ یہاں تلگراف خانہ شاہی ہے۔

تیس جمادی الثانی، دوشنبہ

اہوان۔ سمنان و اہوان کے رستہ میں پانی بہت کم تھا۔ کنار آب خیلے تکلیف داد چوں ۳ فرسخ در منزل باقی ماند برف نمودار شد۔ قدم بقدم زمین ژرف بود۔ تا کہ بمنزل رسیدیم۔ آب انبار یافتیم سرما خیلے زیاد بود دریں منزل از بابت سرما شہرت تمام دارد۔ منزل ویران سرائے شاہ عباس راحاجی علی نقی تاجر نو ساختہ در ۱۲۸۵ھ در راہ برف یافتیم راہ نظر آمد باز زمین صاف شد مگر سرما غضب بود۔

قوشہ۔ بالکل ویران۔ کارواں سرائے بدستور۔ محمد یوسف دکتور را دریں جا ملاقات شد کہ بر سالہ غلامان شاہ دکتور ہستند قوشہ تا دامغان ۶ فرسخ۔ [۱۲۹]

دامغان ویران شہر ہے کوئی علامت شہریت کی نہیں۔ کچے مکان کچّی دُکان کچّا مدرسہ دِہ بھی ویران۔ سرائے شاہ سلیمان صفوی کے عہد کی ہے۔

دامغان سے دہ ملا ۷ فرسخ۔ راہ خوب اور گرم۔

دہ ملا شاہ رود۔ راہ بہت خوب، یہاں بھی ویرانی نے مسکن بنایا ہے مگر بادشاہ کے نئے بازار نے باہر اور اندر رونق کر دی ہے۔ ایک تنگ سا مدرسہ ہے۔ شاہ رود میں تلگراف خانہ شاہی ہے۔ اولائٹی صاحب یہاں ملے، بڑے خوش ہوئے اور معلوم ہوا کہ انگریزی خبریں شاہی تار کی وساطت سے انگریزی میں آتی ہیں۔ اُجرت ادا کر دی جاتی ہے۔ یہاں ابر و باراں نے تین دن ہلنے نہ دیا۔ چوتھے دن برستی برف میں چل کھڑے ہوئے کہ میاجے دس فرسخ ہے، رستہ میں سردی نے عقل گم کر دی۔ دو فرسخ چل کر خیر آباد میں اُتر پڑے۔ دوسرے دن پھر کوچ جانب میاجے۔

از مشہد تا ہرات

(۱) پانچ شہر رجب ہفتہ کو مشہد مقدس سے کوچ کیا۔ تین کوس چل کر سر سلام نظر آیا، پھر کر زیارت کی اور روتا آیا۔ شام کو رباط بربری میں دو ساعت کو ٹھیر کر دانہ پانی کھایا پیا اور چونکہ بڑا حصہ کارواں کا صبح چلا گیا تھا اور دو گھنٹے بعد روانہ ہوئے۔ ہوا سخت تھی اور ٹھنڈی تھی حیران تھا کہ رات کیونکر کٹے گی۔ اللہ نے قدرت نمائی کی۔ آدھی رات کو سنگ بست پر پہنچے کہ یہ بھی حسبِ معمول منزل ہے اور آباد گاؤں ہے، جا بجا آب زلال جاری چلے جاتے ہیں۔

(۲) سنگ بست سے قدم اٹھائے چلے گئے اور دن نکلے خیر یمانی میں پہنچے کہ دوسری منزل ہے۔ یہاں آباد آبادی ہے۔ ملّا محمد علی ایک عالم فاضل صاحبِ عرفان شخص ہیں۔ گھر میں بیٹھے لڑکے کو شرح لمعہ پڑھا رہے تھے۔ اور خوب پڑھاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ مشہد مقدس میں آپ کیوں نہیں بیٹھتے۔ فرمایا ہیچ آفت نرسد گوشۂ تنہائی را۔[۱۳۰] بیٹے کی چودہ برس کی عمر تھی۔ سبق پڑھ کر اُٹھا تو تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ گھر کی دیوار پر چڑھ رہا ہے اور یہ عام حالت یہاں کے شرفاء اور علماء کی ہے مگر کیا اچھی حالت ہے۔

صحرا چہ خوشست در ندارد
مفلس چہ خوشست در ندارد[۱۳۱]
ہمیں رات دن کام سے کام ہے
طبیعت میں اپنی تکلف نہیں

(۳) خیر یمانی سے کوچ کر کے خیر آباد میں منزل ہوئی۔ خیر آباد ویران ہے۔ کاریز سامنے تھا، آباد ہے۔ ضروریات سے انڈے، دودھ، دہی مل جاتا ہے۔ لوگ اچھے ہیں یہ بات قابلِ بیان ہے کہ اب تک ہر آبادی میں کُل اشخاص شیعہ ملے تھی اور سوا علیؑ علیؑ کے دوسری آواز نہ تھی۔ اس منزل سے ہر ایک گاؤں میں شیعہ سنّی مِلے جُلے ملنے لگے مگر سب شیر و شکر ہیں، کُچھ فرق نہیں۔ رات کو میں اونٹ پر سے اونگھنے میں لڑک گیا سر اور گدی کے بل گرا تھا۔ مرنے میں کچھ باقی نہ تھا مگر خدا کی قدرت کہ سر بال بال بچا۔ زیادہ تر پشت، دونوں پہلو اور سینہ پر صدمہ پہنچا۔ مجھے پھر اونٹ پر ڈال کر لحاف اوڑھایا اور رسّی سے کس دیا۔ سب کو خیال تھا کہ مر کر رہ جائے گا۔ صبح کے قریب منزل پر پہنچ کر رسہ کھولا اور مجھے آواز دی۔ میں نے کہا تو کیتی۔ [۱۳۲]شتربان نے نام لیا۔ مجھے گودی میں اُتارا اور بستر پر لٹا دیا۔ تین دن عجیب حال رہا۔ کھانسنا بھی دُکھ دیتا تھا۔

(۴) لنگیر میں منزل ہوئی۔ آباد گاؤں ہے، یہاں ایک شخص امر شاہ نام گاؤں کی مسجد میں اُترا۔

زرعان باز دارد۔ اسباب ضروری برائے غذا بہم رسد یک روز مارا توقف روداد کہ قافلہ دیروز روانہ شدہ بود۔ قاطرچی گفت من نتوانم بروم۔ مال من ضعیف است۔ میان زرعان و کنار راہ ہمہ بود گل بود کہ سر زمین برنج کاریست۔ برائے ملاقات ملا آخوند رفتم۔ [۱۳۳]

شہر ہرات کی حالت ویرانی میں قابلِ تحریر نہیں البتّہ مقدمات لکھنے کے قابل کہ بالائے حصاء کا مقام بلندی اور ہواداری اور کوش نظری میں قابلِ تعریف ہے۔ پائیں حصار کا میدان اور مکانات اُس سے زیادہ رونق رکھتے ہیں۔ شہر کے اندر جامع مسجد کی رفعت اور علوئے شان دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ یہ مسجد اصل میں گوہر شاد بیگم نے بنائی تھی۔ اس کے بعد سلاطین تیموری کی باہمی ٹکروں نے پامال کر دیا۔ ۹۰۴ھ میں ویران ہوگئی پھر میر علی ببر نے مکمل کی جسے نئی تعمیر کہنا چاہیے۔ دو رباعیاں گوشۂ جنوبی پر دو گواہ ہیں۔

رُباعی

مقصورہ وطاق جامع شہر　　گردیدہ خراب بود از دہر
شد امر ز غیب وگشت تاریخ　　وقفِ بسایہ علی ببر [۱۳۴]

۹۰۴ھ

ایں صفہ کہ ماندہ بود چوں عظم رمیم　　مانندۂ کعبہ یافت احیائے عظیم
تاریخ عمارتش ز دل جُستم (گفت)　　ثانئ بنائے طیب ابراھیم [۱۳۵]

اس مسجد میں ایک فرمان کندہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے۔ بموجب عریضہ خالی خان سردار عساکر و بیگلر بیگی کل خراسان سالانہ یک صد و پنجاہ تومان از وجوہ راہداری ماکولات وقد غنچی گری و دروازہ بانی وغیرہ وغیرہ و چہل تومان وجہ انگشت خانہ بر ترغیب سکنہ و موطین قرےٰ و بلوکات وغیرہ وغیرہ و بترغیب علوم و صرف عبادات وغیرہ معاف گردید ۱۱۰۶ھ۔ [۱۳۶]

اس کے نیچے ایک اور فرمان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے شا ابو الغازی سردار ایوب خان فرمان می دہد کہ چوں طائفہ غوری نسب خود را بہ حضرت سیّد بندہ نواز گیسو دراز رسانیدہ اند کہ سلسلہ شاں بحضرت امام جعفر صادق می رسد لہٰذا از وجوہ محصولات مقررہ بری شدند ۱۲۹۸ھ۔ [۱۳۷] اس کے نیچے ایک اور فرمان ہے یعقوب خان کا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ چون ملک موروثی از دست رفتہ باز آمد موسیٰ خان ولی عہد را باید کہ بشکرانہ آں وجوہ محاصل از بزازی و بقالی و باغی

وصباغی وزرگری ورنگریزی وغیرہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ برکاقہ رحمت و شفقت چنان و چنین وچناں مبذول فرماید ۱۲۹۹۔[۱۳۸]

اسی درکے آخر میں بڑی بڑی سلیں سنگِ مرمر کی ہیں آدھے آدھے ٹکڑے گم ہوگئے، آدھے آدھے کہ بے ربط ہیں، جوڑ دیے ہیں۔ وہ مشتمل معانی رقومات سالانہ ہیں اور غالباً کسی صفوی بادشاہ کے عہد کے ہیں۔

شہر میں چار سو کے پہلو میں خشک بازار کارستہ مشرق رویہ سیدھا چلا جاتا ہے۔ چار سو کے پاس ایک بڑا آبِ انبار ہے یہاں حوض چار سو کہلاتا ہے۔ تمام شہر اسی کا ٹھنڈا اور صاف پانی پی کر دل ٹھنڈا اور سینہ صاف کرتا ہے۔ اس پر بھی فرمانِ شاہ صفی مرحوم کے عہد کا لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ چوں بر در شاہ مدحت پناہ بر خاک خراساں افتاد بہ تصدیق فرق مبارک رقم برکار رعایا معاف گردیدہ۔ ۱۰۴۸ھ۔[۱۳۹]

مسجد کے اندر بھی ایک فرمان نہایت عمدہ خط مثلث میں مرقوم ہے مگر پڑھا نہیں جاتا اور چونکہ پہاڑی ملا مسجد کے اندر دروں میں حجرے بنا کر رہتے ہیں اور اکثر موجود ہوتے ہیں۔ ان کے ڈر کے مارے غور سے دیکھ نہ سکا کہ ابھی کوئی آ کھڑا ہوا اور ایک چھُرا مارے تو کیسی خرابی ہو اور جان مفت جائے۔ اُن کے نزدیک گاؤ [گائے] اور آدمی کا کاٹنا برابر ہے فقط اتنا کہہ دینا کافی کہ آدم پر نگی بود کاپر بود۔ کہ میداند کہ گُشتہ است۔[۱۴۰] بس رفت وگذشت پھر کون پوچھتا ہے۔

شہر کے دروازہ پر بھی ایک ایسا ہی پتھر لگا ہوا ہے۔ وہاں سپاہیوں کی کمپنی رہتی ہے۔ تمام خیبری، لوگری، غذی، آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

شہر کے باہر ایک میل راہ مشہد پر دستِ راست امام زادہ قاسم (۵۱) کا مقبرہ ہے۔ یہ حضرت امام علی ابنِ موسیٰ رضا کے اولاد میں تھے، وہیں سید حسین (۵۲) کا روضہ ہے۔ شہر ہرات شہزادگان تیموری کی بس قسمت آزمائی کا دنگل رہا ہے ۹۰۰ھ سے ۱۰۰۰ھ تک۔

آگے بڑھ کر ایک عالی شان میناروں اور گنبدوں کا مجموعہ ہے جن کے گنبد گرے اور گرائے گئے مگر شان و شکوہ کو کوئی نہیں گرا سکا۔ محرابیں ان کی رفعت اور بانیوں کی ہمت اور معماروں کی صنعت پر محضر بناتی ہیں اور چینی کاری رنگینی گل مخمل اور بانات کو مات کرتی ہیں۔

یہاں مسجد اور گنبدوں میں شاہزادگان تیموری کی قبریں تھیں۔ ان کے سنگ موسیٰ کے تعویذ اب تک پڑے

ہیں۔ ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم بن علاؤ الدولہ ابن السلطان باستقر سلطان شاہرخ سلطان ابن قطب الدنیا والدین امیر تیمور گورگان جعل اللہ الجنۃ مثواہ ۸۶۳ھ۔

(۲) باستقر سلطان ابن شاہرخ سلطان ابن تیمور ۸۳۶ھ

(۳) سلطان احمد ابن ہرمز بن عبد الطیف ابن شاہرخ ابن تیمور ۸۴۸ھ

(۴) علاؤالدین ابن سلطان غیاث الدین ابن باستقر ابن شاہرخ ۸۶۳ھ

(۵) شاہرخ سلطان ابن امیر النشاۃ ابن تیمور ۸۹۸ھ

(۶) گوہر شاد اسقف رمضان ۸۶۱ھ

در درجہ وسط کہ کنار شاہراہ شدہ وایں در حقیقت مدرسہ و عیدگاہ بود یک فرسخ مرمر بزرگ خیلے بازینت و با سامان نظر می آمد مگر ہمہ شکستہ و ریختہ و غالباً ہمیں قبر سلطان حین باستقر است و بر دست راست اوست غیاث الدین بن باستقر سلطان ابن عمر شیخ ۸۴۳ھ۔ [۱۴۱]

آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ پر ایک بڑا احاطہ ہے، اس میں چار قبریں ہیں ایک میں مولانا جامی سوتے ہیں۔ ایک میں مولانا صدر الدین ان کے اُستاد، ایک میں ہمدم اُن کے دوست محبوب، ایک میں بھانجہ مدفون ہے۔ بڑے احاطے میں ایک آب انبار ہے۔ اس کی پشت پر ملّا حسین واعظ کاشفی صاحب تفسیر حسینی ہیں۔ اس کے کچھ فاصلے پر امام فخر رازی ہیں۔

مولانا جامی سے آگے بڑھ کر چٹیل میدان میں ایک گنبد نظر آتا ہے اس کے برابر وزیر یار محمد خان مدفون ہیں۔

گازر گاہ

یہاں شیخ عبد اللہ انصاری کی قبر ہے اور ان ہی کی برکت سے مقام مذکور پر شہر خاموشاں آباد ہوا ہے۔ امیر دوست محمد خان، سلطان احمد خان، اس کی بیگم یعنی دختر امیر مرحوم سب یہیں آرام کرتے ہیں۔

روضہ باغ۔ آنزدے آب یعنی در پائے ہرات کہ بادشاہزادہ کامران اور اس کے باپ وغیرہ شاہزادگان سدّوزی اور اکثر امراء ہیں۔

ابو الولید کی قبر شہر کے باہر مولوی جامی کی قبر سے جانبِ مغرب و جنوب ہے مگر لوگ کہتے ہیں کوئی نشان نہیں رہا جس سے تصدیق ہو کہ یہی ہے ۲۳۲ھ۔

اسی نواح میں ملا حسین واعظ کاشفی کی قبر ہے جن کی تفسیر حسینی سب سے زیادہ مشہور ہے اور انوار سہیلی درس میں داخل ہے ایک قبر پر اس طرح لکھا تھا، بابا حسین ابن بابا محمد ترکستانی ۸۵۱ھ مگر لوگ ملا حسین واعظ کا دھوکا کھاتے ہیں مگر یہ اور ہیں۔

(۵) آغا سید علی اکبر اردکانی وایں اردکان توابع فارس است نہ یزد۔ سابق درس میداد حالا بباعث ضعف پیری تارک است وبر امامت مسجد حاجی مرزاہادی قانع نشستہ قریب بہ ہفتاد عمر باشد۔ خدا زیاد کند۔ در علوم معلومہ دستگاہ عالمانہ دارد۔ از کربلا و نجف استفاضہ فرمودہ۔

(۶) آغا سید علی اکبر موالی کہ از طائفہ مولی ہستند۔ عالم علوم است خصوصاً در علم فقہ و اصول قرات کہ فرید وقت است۔ درس کمتر میدہد۔ خانہ نشین است۔

(۷) حاجی شیخ عبد الجبار جرجی (از بوابع فارس سی فرسخ جنوب شیراز) فقہ و اصول در مسجد حاجی مرزا محمد امامت دارد۔ قیاس گوید عمر قریب ۵۰ و در مدرسہ مرحوم حاجی قوام شیرازی مدرس است۔ ۶۰۔ ۷۰ تومان وظیفہ دارد۔ در کربلا کمتر خدمت شیخ وبیشتر بہ تلمذ حاجی مرزا محمد حسن استعداد ورزیدہ مرجع طلاب واہلِ تحصیل است۔

(۸) شیخ محمد باقر اصتہبانا (وایں دہے از قصبات فارس از شیر از سمت مشرق تقریباً سی وپنج فرسخ) جامع علوم است مفعولاً و معقولاً خدمت علمائے طہران تحصیل نمودہ از پنجاہ متجاوز نباشد افسوس کہ طالع ندارد۔ مردم شیراز بحالش نپردازند۔ چہ خاص وعوام چہ طلاب۔ باقی علماء بسیار اند مگر قابلِ شمار نیستند قدرے حکمتِ الٰہی ھم دیدہ۔

(۹) حاجی شیخ محمد طاہر عرب از دہات بصرہ است۔ زیاد ۲۵ سال ست کہ سکونت در شیراز دارد مدرسی وامامت در مسجد حاجی قوام قند اما چنداں مرادد بہ سائر علماء ندارد۔ زیرا کہ قدرے فضول ست یکے از انست کہ قائل بودہ بہ امامت مہدی سودانی کہ در بر سودان ۲۲ شعبان ۱۳۰۲ھ مردہ بمرض آنکہ سیاہ مردہ۔ و بندہ خبرش در بوشہر وبائی کرنیل۔ اس شنیدم۔

در کربلا و نجف غیر از علم فقہ و اصول وقلیلے مقدمات دیگر علمی رواج نیست ولے در طہران علوم معقولہ از کلمہ وہندسہ وحساب وہیتہ وکلام وجغرافیہ وغیرہ رواج است۔ اگر کسے بخواہد باید بہ طہران برود و تحصیل نماید۔ [۱۴۲]

یہاں ایک شخص اُترا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ میں بڑا افاضل ملا ہوں اور طبیب بھی ہوں۔ اصل وطن میر اکنڑ ہے۔ برودہ میں مہاراجہ ہلر راؤ کے پاس خدمت وزارت سر انجام کرتا تھا۔ جب سرکار نے اُسے ریاست سے بے حق کیا تو میں نے فوج کشی کا بندوبست کیا دس ہزار کا لشکر جمع کیا۔ راجہ اور خیر خواہان ریاست نے روکا۔ میں وہاں سے

روپوش ہو کر بھاگا اور بمبئی کے راستہ یہاں آیا۔ شاہانِ وقت سے پیام و سلام کیے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ بروقت تم حاضر ہونا اس وقت دیکھا جائے گا۔ جواب موجود ہیں، افراخ پاشا، افسر تولقا، سلیم بیگ نتو دیج بتر لوروغ۔ یہاں سے تیسرے پہر کو کوچ کیا۔ پچھلے پہر تربت میں پہنچے۔ یہاں رباط شاہ عباسی ویران و شکستہ پڑی ہے۔ بارہ تیرہ برس ہوئے یہاں کے کل آدمیوں کو باندھ کر لے گئے تھے جب روسیوں نے مرؤ لیا تو اُنھیں چھوڑا۔ اب چند سال سے وہ لوگ آ کر آباد ہوئے۔

(۵) تربت(۵۳)۔ حقیقت میں شہر جام ہے جہاں شیخ جام اور مولٰنا عبد الرحمٰن جامی جیسے بزرگ خواب عدم سے بیدار ہوئے اور قالب خاکی کو چھوڑ کر دریائے عدم میں غوطہ مار گئے۔ آج وہ نامی شہر ایک ویران گاؤں ہے جس کے کھنڈر بھی کچّی اینٹوں کے ہیں۔ شیخ جام وہی شخص ہیں جن کے لیے خواجہ حافظ نے کہا۔

حافظ مرید جام جم است اے صبا برو
وز بندہ بندگی برساں شیخ جام را [۱۴۳]

اور خاص و عام حضرت شیخ جام کو فیل مست اور فیل خدا کہتے ہیں۔ مزار اُن کا پہلے سلطان سنجر نے بنایا تھا، وہ ناتمام رہا پھر شاہ عباس نے دو ایوان عالیشان بلند کیے اور آب انبار عمدہ بنایا کہ اب تک قائم ہے۔ یادداشت وقت کے لیے یہاں کے ایک عالم کی زبانی ایک قطعہ لکھا تھا، وہ کافی ہے۔

قطعہ

وفاتِ شیخ اسلام احمدِ جام   ز ہجرت پانصد سی سال و شش بود
ولادت چار صد بود و چل دود   نود با چار سال از عمر خش[۵] بود [۱۴۴]

اُن کی تصنیفات چودہ میں سے جو نام لکھوائے، یہ ہیں۔ روضۃ المذنبین، انیس الطالبین، مفتاح النجات، کنوز الحکمت، بحار الحقیقت، رسالہ سمرقندی، کلیات منظوم۔ ان میں سے فقط ایک کتاب مقامات ہے کہ جام اور اطرافِ جام میں ملتی ہے۔ جب میں زیارت کو گیا تو دیکھا کہ اُن کی قبر کے گرد ایک کٹہرا بھی ہے۔

مولانا جامی کا حال افراط شہرت کے سبب سے قابلِ تحریر نہیں ہے مگر اتنا بھی نہ لکھا جائے تو ظلم ہے۔ یہاں میں نے سنا کہ دو ہندی آئے ہوئے ہیں۔ پتہ لگاتا ہوا پہنچا۔ دیکھا کہ حلیم خاں جمعدار رسالہ نمبر بیس ساکن خیر کیمپ

---

[۵] خوش

سے کار سرکار پر آیا ہے اور مرزا عبد اللہ و عبد الصمد خلف مرزا عبد الرزاق قندھاری اُترے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں نوجوان اخبار نویس سرکاری ہیں۔ انہوں نے مشہد میں تحصیل علم کی ہے۔ مرزا عبد الرزاق قندھاری الاصل ہے اور خود سرکار کی طرف سے مشہد میں اخبار نویس ہے۔ یہاں شیخ عبد الرحمٰن خان کہ شیخ احمد جام کی اولاد سے ہیں اور اس کے کام اور کلام کو خاص و عام میں بڑا اثر ہے، ان کے باغ میں یہ سب اُترے ہوئے ہیں۔ قطعہ خوش خط نستعلیق حروف میں لکھا ہے۔

قطعہ

مرشد نامی شیخ گرامی　　　احمد جامی عمت برّہ
سالِ وفاتش گر تو بجوئی　　　احمد جامی قدس سرّہ ۱۴۵ھ
حررہ محمد معصوم بھکری (۵۴) نامی ۱۰۱۲ھ

دیکھو یہ وہی بزرگ ہیں جو تاریخ طبقات نظامی کی تصنیف میں مرزا نظام الدین بخشی کے معاون تھے اور خود تاریخ بکر وغیرہ کتب کمناب کے مصنف ہیں۔ غالباً اس خیال سے کہ اکبر کی ماں شیخ جام کی اولاد تھیں اس کی خوشی کے لیے انھوں نے یہاں ترمیم وغیرہ کی ہو گی اور یہ قطعہ منقوش کیا ہو گا۔

یہاں سے جانبِ شمال سفید روان ایک شہر قدیم کے آثار دامنِ کوہ میں اب تک باقی ہیں۔ اب اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ کاریز ایک معمولی گاؤں ہے مگر یہاں کے چند شریف ملقب بہ سلطان اپنی قدامت کو حقدار محصول راہ گذر کا سمجھتے ہیں۔ افغانوں نے اسے دبالیا ہے پھر بھی جب موقع پاتے ہیں، لے لیتے ہیں۔

تربت سے کاریز میں آئے۔ رات کو بڑی برسات کھائی اور ہر قدم پر کہتا تھا خدا کتابوں کی خیر کرے۔ یہاں یعقوب سلطان ایک مرد شریف سے ملاقات ہوئی۔ میں اپنے کپڑوں میں سے جوئیں چُن رہا تھا، وہ مع اپنے نوجوان فرزند کے میرے پاس آن بیٹھا اور چند تقریروں میں ایسا محبت کرنے لگا کہ مجھے اُٹھا کر گھر لے گیا۔ رات کو اور دوسرے دن صبح کو کھانا کھلایا۔ اس سے مجھے دو ناقص کتابیں ہاتھ آئیں کہ غالباً عنصری اور جامع۔ یہ کتابیں وہ مجھے بلکہ کسی کو نہ دیتا لیکن میرے پاس ایک ہاتی [ہاتھی] دانت کی سرمہ دانی تھی وہ دیکھ کر پسند کر چکا تھا اور مجبور بیچنی پڑی۔

کاریز سے بعد عصر کوچ ہوا۔ ارادہ تھا کہ رباط روز تک پر اتریں گے مگر راستہ میں مینہ برسنا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ زمین ایسی خراب ہوئی کہ اونٹ پھسلنے لگے۔ سردی سے ہمارے دم بند ہونے لگے۔ پچھلا پہر تھا کہ ایک میدان میں اتر پڑے۔ بوجھ اوپر تلے آگے پیچھے لگا کتابوں پر غدّے [گدے] ڈالے۔ آپ توکّل بخدا بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے

بعد معلوم ہوا کہ پاؤں میں حس و حرکت نہیں۔ اُٹھ کر ایک رفیق کو جگایا۔ وہ نمدوں میں گرم پڑا تھا مگر اٹھا اور ادھر ادھر سے گھاس پھوس لے کر آگ جلائی، کچھ دل بہلا، کچھ آگ کے نام سے سہارا ہوا۔ دو تین آدمی اور آ گئے پھر آ کر بیٹھ رہا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ دس بجے آفتاب نکلا۔ سوکھے روکھے ٹکڑے چبائے، ادھر ادھر پھرنے لگا۔ ایک کاروانِ زوار ہرات سے مشہد کو جاتا ہوا گزرا۔ میں رستے کے سرے پر انھیں دیکھ رہا تھا کہ ایک سردار نے مجھے ٹوکا اور چند نوکر اس کے مجھے دیکھنے لگے۔ پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا ہند۔ اس نے کہا کہ جس رستہ آئے ہو اسی رستہ چلے جاؤ۔ میں نے کہا اس میں تو مجھے بڑا ہرج [حرج] پڑے گا، میں ضعیف آدمی۔ کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا تو ہمارے ساتھ چلے چلو پھر ادھر سے تمھیں جانا ملے گا۔ میں بہت حیران ہوا اور کہا کہ پاس پرت حاضر ہے جب وہ دکھایا تو پڑھا اور مجھے بااعزاز رخصت کیا۔ وہ محمد اکبر خان حاکم کوہستان تھا۔

(۷) رفیقوں نے الملل ٹلملکر کے پھر شام کر دی اور کوچ ہوا۔ مغرب کے وقت رباط اوزنک پہنچے اور آگے چلے آدھی رات ہوئی تھی کہ پھر منہ ترشح ہوا۔ میری عجیب حالت تھی کتابوں کی طرف سے جانی تکلیف، سردی اور ہوا کی طرف سے جسمانی تکلیف۔ خدا خدا کر کے تیرپل پر پہنچے۔ رفیقوں نے یہاں اپنی کارسازی کی اونٹ بٹھائے اور باج گیروں کی آنکھوں میں ایسی خاک ڈالی کہ ایک اونٹ لاد پھاند کر اوپر اوپر غائب کر دیا کسی کو خبر نہ ہوئی۔ غرض کہ مینہ میں بھیگتے کیچڑ میں گرتے پڑتے رباط پر پہنچے۔ یہاں مرزا رکیر خان ولد کریم داد خان ایک میانہ سال جواں مرد باجگری کا کام کرتا تھا۔ رات کو آرام کر لیا۔ صبح کو ایک قافلہ نے اس سے حساب کتاب کا فیصلہ کیا۔ میرے پاس کچھ محصول مال نہ تھا۔ پاسپرت دکھایا پہلے سے زیادہ مروّت و انسانیت کے ساتھ پیش آیا اور ایک قافلہ اور میرے شتربان نے جو قران بدرقہ کا میرے ذمہ ڈالا تھا وہ بھی مجھ سے ٹالا اور ان پر ڈالا۔

شام کو تیرپل سے رخصت ہوئے۔ صبح ہونے تک ایک مقام پر منزل ہوئی کہ دو برس ہوئے یہاں رباط موبرک تھی اب صفا صفا ہو گئی ہے۔ افسوس ہے عمل داری افغانی میں کوئی خبر نہیں لیتا۔ عبدالرحمٰن خان غالباً کچھ نہ کچھ بندوبست کریں گے۔ سامنے موضع مبرک آباد ہے چند گھنٹے یہاں ٹھیر کر شہر کو روانہ ہوئے کہ اہلِ قافلہ اور شتربان کو اپنے اپنے گھروں کا اشتیاق بیقرار کر رہا تھا۔ رستہ میں دستِ راست پر ایک بُرج خام ملا کہ بُرج شاہ رضا مشہور ہے۔ اسے سلام کر کے گلاب کا شئی کو (ایک قلعہ آباد ہے) دیکھتے۔ شام سلمان (ایک گاؤں) دہنے پر چھوڑتے ہوئے زیر شہر آن کھڑے ہوئے، دروازہ بند تھا، باہر پڑے رہے۔ ہمارے یہاں شتربان نے محصولیوں کی

آنکھ میں خاک ڈالی۔ اونٹ اندر اندر گھر میں بھیج دیا۔ اندھیرے منہ دروازہ کھلتے ہی شہر میں داخل ہوئے اور سرائے حاجی عبدالرسول میں اترے۔ رفیقوں کے لیے یہاں گھر کا معاملہ تھا، جو کچھ کیا کسی پر نہ کھلا۔

کنار اصلش کنار مرو است و ہمیں بود کہ در عہد سلف استطخر نام داشت۔ تخت جمشید و نقش رستم دریں جاالیٰ لاآن برائے اہل نظر مقام عبرت است۔

تصویر رستم۔ بر رخش سوار است ارتفاع آں معہ اسپ بقدر دو بالا آدم یا زیاد۔ پیش او پہلوانے دیگر اُستاد است حلقۂ فولادی در میان است۔ ہر دو بر آں زور آزمائی می کنند نامش رستم کلہ دست است یعنی دستِ محبوب زیرا کہ انگشتہایش بریدہ اند۔

پس پشتِ، رستم دیگر است از رستم ہم کلفت تر کہ میخواہد دختریر ابر د پدر دختر آمدہ دخترہ را گرفتہ است۔ ہر دو دست در کمرش زدہ کہ دست راستش بر زیر نافش رسیدہ بہ ہمیں ذیل اطاق ہائے بلند بطور سمچ بودند کہ بسیارے منہدم شدہ اند و دوسہ تا باقی ہستند و ہم چنیں پہلوئے دیگرش غالباً یک اطلاق باقیست بہ ہمہ ذیل سابقہ یعنی پشت رستم کہ جانب شرق باشد سر دیوار تصاویر مانو صحرائے ہم کشیدہ اند و بعضے مردم کہ استادہ اند یا نشستہ و بعضے رقص می کنند بہ فاصلہ دو صد قدم یا سہ یک اطاق مربہ ۱۰x۱۰ واقعہ شدہ بجنسہٖ مثل خانہ کعبہ گویند آتشکدہ بودہ مگر خانہ کعبہ دو ستون دارد۔ ایں صاف یک دست مسقف است۔۔ دروازہ ایں ۱۱/ ۲ یا ۲۱/ ۳۔ عرض و یک قد آدم ارتفاع۔ خانہ کعبہ شرقاً و غرباً ۱۴ ازرع۔ جنوباً و شمالاً ۱۶ ہست۔

آں بردی آب کہ میانہ جاریست تخت جمشید واقعہ شدہ مربع منارہ بلند نصب کردہ بودند۔ منارہا باقی است راست و چپ ایں ہم سہ سمچ باقی است۔

منزل ویران و بہ آب و غذا بہر نوع تکلیف کہ یافتم جائے نیافتم۔[۱۴۶]

یہاں صاحب انسپکٹر مدراس کراچی بھی ملے مگر گھبرائے ہوئے تھے کچھ بات نہ کی۔ (۳) سیوند۔ آب جاری دارد مسجد خام دلکشا مگر آب و طعام ہیچ ہر پزہ ہا دارد دیگر ہیچ۔[۱۴۷]

(۴) دہ نو۔ رشتہ جنگل تھوڑی چڑھائی کے بعد ایسا مقام آیا کہ پہاڑ میں شگاف تھا۔ سوار بھی مشکل سے جا سکتا تھا۔ ہم بھی اُترے۔ گدھوں کے قافلے بیچ میں تھے ہم مشکل سے گزرے۔ داہنی طرف پہاڑ کا ڈھلوان تھا۔ پانی بہتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک جگہ دیکھا کہ اونٹ کو اتار رہے ہیں وہ خرابی راہ کے سبب سے گر پڑا تھا۔ سوائے قتل کچھ چارہ نہ تھا۔ آس پاس کے لوگوں کی غذا ہوا۔ دو تین سپاہی راہداری کے لیے رہتے ہیں انھیں بھی خدا نے رزق بھیج دیا۔ راستہ

میں ایک جگہ عمارت سنگ مرمر کی ملی چھت دو ڈھلوان سطحوں سے مرکب تھی۔ کہتے ہیں کہ مادر حضرت سلیمان کی قبر ہے۔ ایک بڑا تہ خانہ اس سے بڑھ کر ہے۔ ویران گاؤں پڑا ہے۔

ایک میل آگے بڑھ کر ایک چبوترہ اور چند ستون بلند ایک پتھر کے کھڑے ہیں۔ چبوترہ تخت سلیمان اور دہ سلیمان کہلاتے ہیں۔ چار میل بڑھ کر دہ نو پر منزل ہوئی۔

(٦) دہ نو ویران جنگل گاؤں ہے۔ پچاس ساٹھ برس سے آباد ہوا ہو گا۔ کوئی چیز کھانے کو ملے تو مشکل سے۔ اس مقام راہ میں آدمی سیاہ افسردہ کوتاہ قد ہیں۔

جنگل کی گھاس شتر خوار (جوانسا) یا وہی گھاس جسے ہند میں سر کہ مصالح کہتے ہیں۔ گدھے بھی تمام سیاہ ہی سیاہ ہیں۔ تھوڑی دور ہینگ کے درخت بھی ملتے ہیں۔

(٧) خان کرغان۔ یہاں شاہ عباس کی عالی شان کارواں سرائے ہے۔ آج کل حاجی معصوم علی اس کی مرمت کرواتے ہیں۔ دو تین گولی کی مار پر ایک پُل بھی اسی عہد کا ہے اس کی مرمت ہو گئی۔ حاجی بے نظیر آدمی ہے مجھے جگہ رہنے کو دی۔ ایک تسبیح ایک سجدہ گاہ بھی دی۔

(٨) خان کرغان سے چل کر دہ بیکر ہمیں رستہ میں آیا۔ یہاں ایک بڑا خرابہ منہدم پڑا تھا، زمین سے ہموار، کہتے ہیں کہ قصبہ بہرام گور تھا۔ قلعہ سبز نام تھا۔ یہاں ایک طلسم بھی تھا کہ اب تک اس کے سبب سے وبا اثر نہیں کرتی۔ ایک سرائے شاہ عباسی ہے مرمت طلب۔ تلگراف خانہ درست موجود ہے۔ خان خرہ پر منزل ہوئی۔ اچھی جگہ نہیں۔

(٩) سرمق۔ اچھی جگہ ہے۔ بڑا قلعہ خام گرد فصیل۔ اندر آبادی یہاں بھی دستِ راست پر قصر بہرام ہے۔ یہ ایک ٹیلہ نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سات قعر تھے۔ قلعہ سبز۔ قلعہ قبود۔ کوشک زر قلعہ گبر۔ قلعہ کافتر۔ قلعہ مشکون (مشکن)۔ یہاں سے علاقہ ایرغو سات فرسخ سے شروع ہوتا ہے جانبِ مشرق۔ اسے پہلے شہر سفید کہتے تھے۔ قوم ثمود کی آبادیوں میں سے تھا۔ اُس کے پہلو میں پہاڑ پر ایک قلعہ بہت اچھا یادگار قدیم کا باقی معلوم ہوتا ہے۔ گبردن کی بارگاہ کہلاتا ہے۔

حواشی و تعلیقات

حواشی

۱ نسخہ م میں یہ سطر یوں ہے، "اور میں کوتاہیِ خدمت پر اپنے آپ کو شرمسار دیکھ رہا ہوں"۔
محمد حسین آزاد، مقالات محمد حسین آزاد: جلد اول، مرتبہ آغا محمد باقر (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۶۶ء)، ص ۴۶۹۔

۲ نسخہ ا میں یہ درج ہے، "جا بیٹھا"۔
اخبار عام (لاہور: ۲۸ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۵۔

۳ نسخہ ا میں یوں درج ہے، "مجھے دورانِ سر اور برہمی طبع کی طرف سے بڑا اندیشہ تھا کہ صفراوی مزاج ہوں مگر معلوم بھی نہ ہوا".
اخبار عام (لاہور: ۲۸ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۵۔

۴ نسخہ س میں کارداران ص ۱۲ پر، نسخہ ا میں کاروان ص ۵ پر اور نسخہ م میں کارروان ص ۴۷۰ پر درج ہے جب کہ نسخہ ر میں کارواران ہے۔ یہاں معنوی اعتبار سے کارداران درست معلوم ہوتا ہے۔

۵ نسخہ ا میں یہ جملہ خذف ہے، " آٹھ دن کے انتظار کے بعد ایک ایرانی راہوار پر بیٹھ کر کاروان میں روانہ ہوا ص ۹۔
دن تک کچھ پہاڑ کچھ میدان لپیٹ سپیٹ شیراز میں جا اُترا"۔
اخبار عام (لاہور: ۲۸ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۵۔

۶ نسخہ ر میں گھڑے درج ہے اور یہ درست معلوم نہیں ہوتا لہذا یہاں کھڑے درست معلوم ہوتا ہے۔ نسخہ ا میں گڑے ص ۵ پر درج ہے اور نسخہ م میں ص ۴۷۱ پر اور نسخہ س میں ص ۱۴ پر کھڑے درج ہے۔

۷ نسخہ ا میں یہ سطر یوں درج ہے، "استاد کتاب کو توضیح اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتا جاتا ہے"۔ ص ۵۔

۸ نسخہ م میں ص ۴۷۱ پر اور نسخہ س میں ص ۱۴ پر کریم خان زند کی جگہ کریم خان ژند درج ہے۔
زند یہ خاندان کا اہم حاکم وکیل کریم خان زند تھا جو ۱۱۹۳ھ، ۱۷۷۹ء میں فوت ہوا۔ کریم خان نیک شخص تھا اور نادر شاہ کی فوج کا لائق جرنیل تھا۔ کریم خان نے شیراز کو دار الحکومت بنایا اور ملک کی تعمیرِ نو پر توجہ دی۔

صدیق شبلی، محمد ریاض، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، (دہلی: بسمہ کتاب گھر دہلی، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۱۶۔

۹۔ نسخہ ا میں "ہے" درج نہیں۔ ص ۶۔

۱۰۔ نسخہ ا میں یہ سطریوں درج ہے، "ان میں سے اس رسالہ کا پیش کرنا واجب ہے، (پیش کیا گیا) جو کہ آج سے ۴۰ برس پہلے انھوں نے حرکتِ زمین کے اثبات میں لکھا تھا"۔ ص ۶۔

۱۱۔ نسخہ م میں ص ۴۷۲ پر اور نسخہ س میں ص ۱۶ پر یہ سطریوں ہے، "ان کا علو خاندان مجھے کتابوں سے حد ثبوت کو پہنچا معلوم ہوا۔ "یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ نسخہ ر میں "معلوم ہوا" درج نہیں جس سے عبارت بے ربط معلوم ہوتی ہے لہذا نسخہ م اور نسخہ س کا متن با معنی ہے اور اسے ہی متن کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۱۲۔ نسخہ ا میں یوں ہے، "حکیم صاحب میرے آنے کی خبر سن کر نواب صدر کے ہاں آئے۔"، ص ۶۔

۱۳۔ نسخہ ا میں یہ سطریوں درج ہے، "طہران کے لباس مروج نے ابھی تک وہاں رواج نہیں پایا، ص ۶۔

۱۴۔ گلستان شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی کی وہ کتاب ہے کہ فارسی زبان میں کوئی کتاب اس سے زیادہ مقبول اور مطبوع خاص وعام نہیں۔ مشرق ومغرب کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ گلستان شیخ کی جادو بیانی اور فصاحت وبلاغت کا شہرہ ان کی زندگی میں ہی تمام ایران، ترکستان، تاتار، اور ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی، گلستان (مترجم)، مترجم مولانا قاضی سجاد حسین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، ص ۴۔

۱۵۔ یہ درج ذیل قطعہ کا مصرع ہے۔

گِلے خوشبوئے در حمام روزے　　رسید از دستِ محبوب بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری　　کہ از بوئے دل آویزِ تو مستم

ترجمہ۔ ایک دن حمام میں ایک خوشبودار مٹی میرے ہاتھ میں ایک محبوب کے ہاتھ سے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عبیر کیونکہ میں تیری دلکش خوشبو سے مست ہوں۔ شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی، گلستان (مترجم)، مترجم مولانا قاضی سجاد حسین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، ص ۱۱۔

۱۶۔ نسخہ ا میں یوں درج ہے، "پھر ایک مدت خیالِ شاعرانہ سمجھے تھے"، ص ۶۔

۱۷۔ نسخہ ا میں یہ سطریوں درج ہے، "جاڑے کا موسم کوہ کوہ برف لیے چلا آتا تھا"، ص ۶۔

۱۸۔ نسخہ ا میں ص ۷ پر اور نسخہ م میں ص ۴۷۳ پر "کجاوہ" درج ہے اور یہی درست ہے۔

۱۹۔ نسخہ م "اہل قلم"۔

محمد حسین آزاد، مقالات محمد حسین آزاد: جلد اول، مرتبہ آغا محمد باقر، (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۶۶ء)، ص ۴۷۴۔

۲۰۔ یہاں نسخہ ر میں لفظ معضو پڑھا جارہا ہے جو کہ درست نہیں، کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ باقی تینوں نسخوں میں "حضور قلب" درج ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔

۲۱۔ نسخہ م میں فرضِ مذہبی کی جگہ فرضِ منصبی درج ہے، ص ۴۷۵۔

۲۲۔ ترجمہ۔ اگر جہان میں اصفہان نہ ہوتا تو دنیا بنانے والے کی کوئی دنیا نہ ہوتی۔ مترجم ڈاکٹر مہدی حسینی۔

۲۳۔ ترجمہ۔ اصفہان کو نصف جہاں کہا گیا ہے اور یہ اصفہان کی نصف تعریف کی گئی ہے۔ مترجم ڈاکٹر ایم سرفراز ظفر۔

۲۴۔ نسخہ م میں یہ درج ہے، "اور ملا قرآن کی تلاوت کرتے ہیں"، ص ۴۷۶۔

۲۵۔ نسخہ م میں ص ۴۷۶ اور نسخہ ا میں ص ۸ پر کجاوہ درج ہے، کجاوہ درست لفظ ہے۔ کچاوہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۶۔ نسخہ م میں یہ سطر یوں ہے، "سفر یورپ سے آکر ملک و ملت میں روشنی پھیلائی ہے"، ص ۴۷۷۔

۲۷۔ نسخہ س میں ص ۲۸ اور نسخہ م میں ص ۴۷۸ پر تعلمِ سخن جبکہ نسخہ ا میں ص ۵ پر نظمِ سخن درج ہے۔

اخبار عام (لاہور: ۳۱ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۵۔

۲۸۔ نسخہ م میں یہ سطر یوں درج ہے، "تذکرہ فصحائے فارسی کا فن سخن ہیں جو کی درست معلوم نہیں ہوتا، ص ۴۷۹۔

۲۹۔ نسخہ ا میں یہ عبارت یوں ہے، "ایک پارسی صاحبِ تحقیق، بامروت، بادیانت، باہدایت ہیں۔

اخبار عام (لاہور: ۳۱ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۶۔

۳۰۔ نسخہ ا میں یوں ہے، "مرحوم (ناصح التواریخ) جو کہ صحیح نہیں ہے، کتاب کا نام ناسخ التواریخ ہے۔ نسخہ ا میں کتابت کی غلطی ہے۔

اخبار عام (لاہور: ۳۱ جولائی ۱۸۸۶ء)، ص ۷۔

۳۱۔ نسخہ ا میں یہ سطر یوں درج ہے، "کوئی قصیدہ کہہ لیتے ہیں"، ص ۷۔

۳۲۔ نسخہ ا میں یوں ہے، آخر جب اخیر برف پڑ چکی۔ ص ۴۸۲۔

۳۳۔ نسخہ م میں ص ۴۸۲ اور نسخہ س میں ص ۳۷ پر یہ سطر یوں ہے، "کتابوں میں دیکھا تھا کہ شعر سلمان اور انار سمنان یہاں کا تحفہ ہے۔"

۳۴۔ ترجمہ۔ باپ کی وراثت چاہتے ہو تو باپ کا علم سیکھو۔

۳۵۔ نسخہ ا میں یہ سطر یوں ہے، "آمدنی ان کی ۱۲ لاکھ سے کم نہیں"۔
اخبار عام (لاہور: ۱۴ اگست، ۱۸۸۶ء)، ص ۵۔

۳۶۔ نسخہ م میں فردوسی کی جگہ فردوس درج ہے اور اس مقام پر یہ حاشیہ درج ہے "مشہد سے کوئی پچاس ساٹھ میل دور ہے"، ص ۴۸۶۔

۳۷۔ نسخہ س میں "نیر دو کرمان" لکھا ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے۔
محمد حسین آزاد، سیر ایران، (لاہور: کریمی پریس)، ص ۴۱۔

۳۸۔ نسخہ س، نسخہ ا اور نسخہ م میں یہ نام شیخ احمد جام ہے۔ بالترتیب ص ۴۴، ۴۸۶، اور ص ۶۔

۳۹۔ نسخہ س میں "مبنت کاری" درج ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے، ص ۴۶۔

۴۰۔ نسخہ ا میں یہاں اضافہ ہے، یہ درج ہے، "۲۳۲ء میں فوت ہوئے"۔
اخبار عام (لاہور: ۱۴ اگست، ۱۸۸۶ء)، ص ۷۔

۴۱۔ نسخہ م میں ص ۴۸۷ پر "گاذر گاہ" اور نسخہ ا میں ص ۷ پر "گازر گاہ" درج ہے۔

۴۲۔ نسخہ ا میں یوں ہے، "فات تاریخ فوت ہے (۴۸۱)، ص ۷۔

۴۳۔ نسخہ ا میں یہ جملے چند تبدیلی کے ساتھ یوں درج ہیں، "امیر دوست محمد خان اور سلطان جان جو محمد عظیم خان امیر کے بڑے بھائی کا بیٹا اور خود امیر کا داماد تھا اور ۲۵ برس حاکم ہرات رہا۔ وہیں مدفون ہے۔ اس کی بی بی یعنی امیر کی بیٹی کی قبر بھی وہیں ہے۔ امیر نے فوج کشی کر کے اس سے ملک لیا۔ عبد اللہ جان امیر کا نواسہ اسی لڑائی میں مارا گیا۔ وہ بھی وہیں دفن ہے۔ سلطان جان دفعتاً بیمار ہوا۔ آج مر گیا کل ہرات فتح ہوا" اخبار عام (لاہور: ۱۴ اگست، ۱۸۸۶ء)، ص ۷۔

۴۴۔ نسخہ م میں یہ سطر یوں ہے، "کسی کسی شعر کا کوئی کوئی مصرعہ پڑھا جاتا ہے"، ص ۴۸۸۔

۴۵۔ نسخہ ا میں عبارت اضافے کے ساتھ درج ہے۔ نسخہ ا میں عبارت کچھ یوں درج ہے، "ہمدم اسے کہتے ہیں کہ مر کر بھی جدا نہ ہو۔ اصل مولد مولانا کا فرجرد ایک گانوں [کذا] جام کے پاس ہے"، ص ۷۔

۴۶۔ ترجمہ۔ آیئے، بیٹھیے، آپ سے گپ لگاتے ہیں۔

۴۷۔ ترجمہ۔ مسافر ہوں مجھے کام ہے۔ معاف رکھیے۔

۴۸۔ ترجمہ۔ کہاں سے آئے ہو کہاں جا رہے ہو۔

۴۹۔ ہندوستان سے آیا ہوں۔ ہندوستان واپس جا رہا ہوں۔

نسخہ ا میں یہ جملے خذف ہیں۔ قندھار میں پہنچ کر پانچ دن ٹھیرنا پڑا۔۔۔ تو جاسوسِ فرنگ ہستی۔ اخبار عام، ص ۷

۵۰۔ کیوں آئے تھے؟

۵۱۔ تم بتاؤ کہ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔

۵۲۔ تم جانتے نہیں؟ ہم تمہیں پکڑ کر امیر صاحب کے سامنے پیش کریں گے۔ تم انگریزوں کے جاسوس ہو۔

۵۳۔ ٹھیک ہے، ہم کہیں گے، امیر صاحب ہم مسافر ہیں۔ آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ آپ کا نمک کھایا ہے۔ آرام ملا ہے۔ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں چلے جائیں گے۔ یہ ہے کہ آپ کی خدمت کا دم بھرتے ہیں۔ انگریزی فوج آتی ہے تو اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی میں نوکری کرتے ہیں۔ ایک انڈہ چار میں ایک مرغی عصا(؟) میں بیچ دیتے ہیں۔ پھر جب ایوب خان آتا ہے آپ کے خلاف کفر کا فتوٰی دیتے ہیں۔

۵۴۔ جانے دو۔

۵۵۔ تم جاؤ۔

۵۶۔ اب ذرا بتایئے آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟

۵۷۔ جاؤ، بابا جاؤ۔

۵۸۔ آپ کس علاقے میں مقیم ہیں؟

۵۹۔ یہ کیا مصیبت ہے؟

۶۰۔ کیا کہوں، یہ وہ کمبل ہے جسے میں چھوڑتا ہوں، وہ مجھے نہیں چھوڑتا۔

۶۱۔ محمد حسین آزاد ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد دہلی سے لکھنو پہنچے۔ لکھنو سے مدراس۔ یہاں سے کارواں نے اپنا رخ موڑا اور وہ مالوہ، سنگر در جگراؤں اور بیسیوں دوسرے شہروں سے ہوتے ہوئے آخر ایک دن سیالکوٹ پہنچ گئے۔ سیالکوٹ سے کشمیر کے پہاڑ نظر آتے ہیں۔۔۔ پھر سارے کشمیر گھومنے کے بعد

سیالکوٹ واپس آئے لیکن طبیعت کو قرار کہاں۔۔ حکومت ہند نے سنٹرل ایشیا کی سیاسی حالت کا جائزہ لینے کے لیے ایک مشن روانہ کیا تو آزاد اس مشن کا ایک رکن تھے۔ سنٹرل ایشیا کا دورہ کرنے اور مختلف ممالک کا دورہ کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹے۔ لوٹنے کے چند دن بعد آزاد کلکتہ روانہ ہو گئے۔ واپسی پر کچھ عرصہ لاہور قیام کیا۔ ستمبر ۱۸۸۸ء میں سیاحت ایران کے لیے روانہ ہو گئے۔

ڈاکٹر وزیر آغا، آزادہ روی کی ایک مثال محمد حسین آزاد، نقد آزاد مرتبہ سعادت سعید، (لاہور: شعبہ اردو جی سی یونی ورسٹی لاہور)، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۵۔۱۳۶۔

٦٢۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولوی محمد حسین کا کتب خانہ جو ان کے بزرگوں کا تھا، تباہ و برباد ہو گیا۔ آغا محمد باقر نبیرہ آزاد لکھتے ہیں "ان کے والد ماجد مولانا محمد باقر کا دہلی میں بہت بڑا کتب خانہ تھا، جس میں بڑی نایاب کتابوں کا ذخیرہ تھا"۔ ادبی دنیا، خاص نمبر دور پنجم، شمارہ چہارم، ص ۱۰۲۔ اکرام چغتائی مطالعہ آزاد میں لکھتے ہیں: آبائی کتب خانے سمیت تمام اثاث البیت لوٹ مار کی نذر ہو گیا۔

اکرام چغتائی، مطالعہ آزاد (لاہور: دی ٹرسٹ سوسائٹی لاہور) ۲۰۱۰ء، ص ۹۲۔

٦٣۔ گلستان شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی کی وہ کتاب ہے کہ فارسی زبان میں کوئی کتاب اس سے زیادہ مقبول اور مطبوع خاص و عام نہیں۔ مشرق و مغرب کی اکثر زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ گلستان شیخ کی جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا شہرہ ان کی زندگی میں ہی تمام ایران، ترکستان، تاتار، اور ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔

شیخ شرف الدین مصلح سعدی شیرازی، گلستان (مترجم)، مترجم مولانا قاضی سجاد حسین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، ص ۴۔

٦٤۔ رسالہ ہمایوں میں لفظ ہارج پر یہ حاشیہ درج ہے، "مولانا آزاد مرحوم کے اصل مسودہ میں حرج ہائے ہوز سے لکھا ہے۔ تاجورؔ"۔

رسالہ ہمایوں، شمارہ مئی ۱۹۲۲ء، ص ۱۱۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ ہمایوں میں چھپنے والا متن مولانا آزاد کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے متن کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ جس میں حارج ہائے ہوز سے لکھا ہے اور کاتب کا نام تاجور نجیب آبادی ہے۔

٦٥۔ نسخہ ہمایوں میں ستمبر کی جگہ شہر درج ہے اور عبارت کچھ یوں بنتی ہے، "بہر حال آخر شہر میں مجھے خاص گورنمنٹ کی تحریر نے حصولِ رخصت سے اطمینان دیا"۔

رسالہ ہمایوں، شمارہ مئی ۱۹۲۲ء، ص ۱۱۔

۶۶۔ آزاد کی جواں بیٹی کی وفات کے صدمے کا ذکر ہے۔

۶۷۔ نسخہ ہمایوں میں یہ سطر یوں درج ہے، "توکلت علی اللہ"۔

ترجمہ: میں نے اللہ پر توکل کیا۔

توکلت واللہ کا ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے توکل کیا۔ یہاں توکلت علی اللہ درست معلوم ہوتا ہے یعنی اللہ کے بھروسے۔

۶۸۔ ترجمہ۔ اللہ انھیں بہترین جزا دے۔

۶۹۔ نسخہ ہمایوں میں یہ درج ہے۔

عام قلم۔ مرزا محمد جعفر مالک مطبع مفرح القلوب سے ملاقاتیں ہوئیں۔

رسالہ ہمایوں، (شمارہ جون ۱۹۲۲ء)، ص ۱۰۔

۷۰۔ نسخہ ہمایوں میں یہ عبارت یوں درج ہے۔

عام قلم۔ کے برابر مسلمانوں میں کوئی صاحبِ دولت سوداگر نہیں۔ رسالہ ہمایوں، (شمارہ جون ۱۹۲۲ء)، ص ۱۰۔

۷۱۔ ترجمہ۔ کس بادشاہ کی رعایا ہیں؟

۷۲۔ ترجمہ۔ تم لوگ انگریز کی نوکری کرتے ہو وہ ناراض نہیں ہوتا۔

۷۳۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔

۷۴۔ نسخہ ہمایوں، "۱۲ روپیہ"۔

رسالہ ہمایوں، (شمارہ جون ۱۹۲۲ء)، ص ۱۱۔

۷۵۔ نسخہ ہمایوں میں یہ سطر یوں ہے، "بائیں ہاتھ پر ہاتھ کو چکر دے کر کہتے ہیں کہ تمام علاقہ کشم کا ہے"۔

رسالہ ہمایوں، (شمارہ جولائی ۱۹۲۲ء)، ص ۳۸۔

۷۶۔ نسخہ ہمایوں میں یہ درج ہے، "مہندی اور لو کے لیموں بغداد کو جاتے ہیں"،

رسالہ ہمایوں، (شمارہ جولائی ۱۹۲۲ء)، ص ۳۹۔

۷۷۔ نسخہ ہمایوں میں ۷ ۱۲ اکتوبر ۸۵ء درج ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے۔

رسالہ ہمایوں، (شمارہ اگست ۱۹۲۲ء)، ص ۸۹۔

۷۸ نسخہ ہمایوں میں لخہ کی بجائے لنجہ درج ہے۔ آگے متن میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے نسخہ ہمایوں میں لنجہ ہی درج ہے۔

رسالہ ہمایوں، (شمارہ اگست ۱۹۲۲ء)، ص ۹۰۔

۷۹ ترجمہ۔ ماندنی یعنی جاوید۔

۸۰ ترجمہ۔ ھندنی کے کیا معنی ہیں۔

۸۱ ترجمہ۔ یہ کہ انشاء۔ ہمیشہ باقی رہے گا۔

۸۲ ترجمہ۔ ایک بجے بو شہر میں داخل ہوا۔ اللہ کا شکر ہے۔

۸۳ ترجمہ۔ موت کے ہاتھ نے کوچ کا نقارہ بجادیا۔

یہ مصرع شیخ سعدی کی گلستان کے قطعہ کا ہے۔ قطعہ یہ ہے۔

کوس رحلت بکوفت دستِ اجل　　اے دو چشم ودائِع سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو　　ہمہ تودیع یک دگر بکنید
بر من او فتادہ دشمن کام　　آخر اے دوستاں گذر بکنید
روز گارم بہ شد بنادانی　　من نہ کردم شما حذر بکنید

ترجمہ۔ موت کے ہاتھ نے کوچ کا نقارہ بجادیا۔ اے میری دونوں آنکھو، سر کو رخصت کر دو۔
اے ہاتھ کی ہتھیلی اور گٹے اور بازو، سب ایک دوسرے کو رخصت کرو۔
مجھ، دشمن کے منشاء کے مطابق گرے ہوئے پر آخر اے دوستو! گذر کرو۔
میرا زمانہ تو نادانی میں ختم ہو گیا میں تو برائیوں سے نہ بچا، تم بچو۔

۸۴ ترجمہ۔ آپ نے صحیح پڑھا۔ پڑھیے۔

۸۵ کافی ہے، امتحان تمام ہوا۔

۸۶ آپ نے عربی زبان کو اچھی طرح یاد کیا ہوا ہے۔

۸۷ ترجمہ۔ شہر شیراز۔ کہتے ہیں شہر ایک فرسخ پر محیط ہے لیکن حقیقت میں اس سے کمتر ہے۔ آبادی کی شکل گول ہے کیونکہ ایک پہاڑ نے قدرتی طور پر دائرے کی شکل اختیار کی ہوئی ہے اور یہ شہر کابل اور سری نگر کشمیر کی طرح اُس (پہاڑ) کے درمیان آباد ہے اور اسی طرح مکانات قدیمی تھے۔ یورپی دانش وروں کے

برعکس جو کہ شہر کو پہاڑ کے اوپر بناتے ہیں اور پہلی صورت کی قباحت اور خرابی ظاہر ہے کہ جب بھی محصور مکانات میں کسی وجہ سے ہوا آلودہ ہو جائے اور یہ گندی ہوا پھیل جائے تو اس کو ختم کرنا مشکل ہوتا ہے اور اس میں کافی عرصہ لگ جائے گا۔

شہر کی آبادی تقریباً چھ ہزار گھروں پر مشتمل ہے۔ یہ پانچ سال پہلے کی مردم شماری کے مطابق ہے جو معتمد الدولہ فرہاد مرزا (بانی شہر) کے زمانے میں ہوئی تھی۔ لوگوں کی تعداد ساٹھ سے ستر ہزار کے درمیان تھی لیکن اس وقت کی رونق کریم خان ژند کی ہمت سے ہے جو ۱۱۹۳ھ میں فوت ہوا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو شیراز ایک گاؤں سے زیادہ نہ ہوتا۔

۸۸ ترجمہ۔ جب کریم خان ژند اس بے قرار دنیا سے رخصت ہوا تو ۱۱۹۳ (ایک ہزار ایک سو ترانوے سال) بیت چکے تھے۔

۸۹ اس شہر کے بانی محمد بن یوسف ثقفی حجاج کے بھائی تھے۔ ارک پائے تخت، ارک سے جڑا ہوا باغ، متعدد خلوت گاہیں جو اس عمارت سے متصل ہیں جو بازار اردلیک کے نام سے مشہور ہے، کسٹم آفس اور کئی وسیع مسافر خانے، چہار بازار، باہر کے بڑے حمام، ارک کے اندر چھوٹے چھوٹے حمام، عالی شان مسجد حافظیہ (حافظ کا مقبرہ) سعدی، تکیہ ہفت تن، تکیہ چہل تن، باغ جہاں نما، پانی کا بڑا ذخیرہ۔ شہر میں مسجد کے نزدیک سے دو چشمے جاری ہیں جو شیراز شہر کو سیراب کرتے ہیں۔

۹۰ یہاں فنات کی جگہ قنات ہے جو کہ کاریز کے معنی میں آتا ہے۔ فنات کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۹۱ ترجمہ۔ پہلی قنات معروضیہ سے خیرات قدیم زمانے سے ہے۔ دوسری قنات جسے مرحوم قوام نے ۱۲۹۵ھ میں معتمد الدولہ کی حکومت میں شمال مغرب کے گوشے سے لایا تھا۔ یہ قدیم ترین قنات ہے اور ٹوٹی پھوٹی تھی جسے صاف کر کے تعمیر کیا۔

شیراز میں برف باری ہوتی ہے لیکن ایران کے دوسرے شہروں کی نسبتاً معتدل ہے بلکہ شیراز، شہر شوستر کے بعد گرم ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہتے ہیں شوستر بہت گرم ہے اور ابھی تک عربستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۔ آغا میرزا محمد علی شیرازی مسجد مشیر میں فقہ و اصول کی تدریس کرتے ہیں۔ عمر پچاس سال ہوگی۔ انھوں نے کربلا اور نجف سے پڑھا ہے۔ شیخ مرتضٰی کے شاگردوں میں سے ہیں اور حاجی مرزا محمد حسن

شیرازی سے فیض حاصل کیا۔ آج کل مرجع خاص وعام شیراز ہیں۔

۲۔ شیخ محمد حسن محلاتی (محلات اصفہان اور تہران کے درمیان میں ذرا راستے سے ہٹ کر واقع ہے) فقہ اور اصول کا درس دیتے ہیں۔ شیراز کے مرجع خاص وعام میں سے ہیں۔ عمر پچاس سال سے زیادہ ہے کچھ عرصہ ملا محمد علی محلاتی کی خدمت میں علم حاصل کیا، اس کے بعد نجف اور کربلا جاکر اکتساب علوم کیا ہے اور مسجد مولٰے میں درس دیتے ہیں۔ (یہاں مولٰے ایک قوم کا نام ہے)۔

۳۔ حاجی آغا سید علی اکبر فال اسیری (یہ نام دو بلاک فارس سے متعلقہ بلاکس ہیں جو گیارہ منزل جنوب میں واقع ہے) فقہ اور اصول پڑھاتے ہیں۔ ساٹھ سال کے قریب ہیں۔ مرجع خاص وعام ہیں۔ شیراز میں حاجی شیخ مھدی کجوری سے علم حاصل کیا (کجوری صوبہ مازندران کا علاقہ ہے)۔ اپنے گھر میں مسجد دلیک میں پڑھاتے ہیں اور وہاں کے امام ہیں۔

۴۔ حاجی سید علی اکبر یزدی، آخوند ملا حسن کے شاگرد ہیں جو فاضل اردگانی کے نام سے مشہور ہیں (اردگان یزد کا ایک علاقہ ہے) چھ سات ماہ ہوئے، وفات پاچکے ہیں۔ آغا سید علی مدرسہ منصوریہ میں پڑھاتا ہے۔ یہ وہی مدرسہ ہے جو عنایت الدین منصور وشنگی کی یادگار ہے۔ وشنگ شیراز کا ایک علاقہ ہے۔ وشنگ شیراز کے شمال میں واقع ایک گاؤں ہے جو تین دن کی مسافت پر ہے، یہ وہ علاقہ ہے جو آج کل سردرک کے نام سے معروف ہوا ہے اور مدرسہ منصوریہ یہیں واقع ہے۔

شیراز: خواجہ حافظ کی قبر شہر شیراز کے شمال میں ہے۔ جب ہم شیراز سے نکلتے ہیں اور خواجہ کے مزار پر جانا چاہتے ہیں تو دروازے کے اوپر بالاخانہ کے دالان کی چھت ہے جسے شرقی کہتے ہیں۔ دالان کو تنگ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اسی کے قریب ایک چشمہ بھی جاری ہے اور مشرقی سے متصل دامن کوہ میں ایک پتھر کا ٹکڑا ہے جس پر رستم اور دیو کی تصویر کندہ ہے اور یہ وہی چشمہ ہے جس کے بارے خواجہ حافظ نے فرمایا ہے۔

۹۲؎ آب خضر میں، جس کی جگہ ظلمات میں ہے ہمارے آب (نہر) جس کا منبع اللہ اکبر ہے، بہت فرق ہے۔

یہ شعر خواجہ حافظ شیرازی کا ہے دیوان حافظ میں یہ شعر یوں درج ہے۔

فرق ست زاب خضر کہ ظلمات جائے اوست
تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست۔

ترجمہ۔ آب خضر میں جس کی جگہ اندھیریاں ہیں، فرق ہے ہماری نہر سے کیونکہ اس کا منبع اللہ اکبر ہے۔ رکنا باد کی نہر کا منبع اللہ اکبر نامی جگہ ہے۔

خواجہ حافظ ،دیوان حافظ، مترجم قاضی سجاد حسین (لاہور: پروگریسو بکس لاہور)، ص ۵۶۔

۹۳ بالاخانہ مذکور زمین سے متصل ہے۔ اس بالاخانہ میں چند قبریں ہیں۔ کہتے ہیں ان قبروں کی زیارت کے لیے ہزاروں لوگ جاتے ہیں۔ جو کوئی بھی اس شہر میں داخل ہوتا ہے ان قبروں کے نیچے سے گزرتا ہے اور اسی طرح جو بھی باہر آتا ہے۔

شاہ چراغ میں ایک بیاض ہے جو حضرت علی بن ابی طالب کی دست نوشتہ ہے۔

حافظیہ کے مشرق میں ایک باغ ہے جسے ہفت تن کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہاں سات بزرگ مدفون ہیں۔ اس کے نزدیک چہل تن ہے کہ وہاں چالیس درویش مدفون ہیں اور اسحٰق اطمعہ وہاں دفن ہے۔ چہل تن اور ہفت تن کے جنوب میں لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ خواجہ حافظ کے دور میں وہاں جعفر آباد تھا اور سرسبز باغ بھی، جیسا کہ فرماتے ہیں۔

۹۴ جعفر آباد اور مصلیٰ کے درمیان عبیر آمیز بادِ شمال آتی ہے۔

یہ شعر خواجہ حافظ کا ہے۔ خواجہ حافظ ،دیوان حافظ، مترجم قاضی سجاد حسین (لاہور: پروگریسو بکس لاہور)، ص ۲۵۵۔

۹۵ مصلےٰ۔ جب بھی شہر سے ہم حافظیہ کی طرف چلیں اور ہم شمال کی طرف سے آئیں تو دائیں طرف حافظیہ ہے اور بائیں طرف تھوڑی سی مسافت پر ایک جگہ ہے جسے مصلےٰ کہتے ہیں۔ اب اس کا کوئی نام ونشان باقی نہیں ہے کیونکہ شہزادہ مرزا نے وہاں ایک عمارت تعمیر کر کے مردے کو زندگی بخش دی ہے۔ [شہر کو اس عمارت کے ذریعے زندگی بخشی ہے]۔ جب شہر سے شمال کی طرف جائیں تو تقریباً ایک فرسنگ کے فاصلے پر رکنا باد کا چشمہ ہے اور اسے رکنا باد کہتے ہیں کہ رکن الدین دیلمی نے وہاں سے ایک قنات تعمیر کر کے شیراز لایا تھا۔

۹۶ اگرچہ دریائے ژند آب حیات ہے لیکن ہمارا شیراز اصفہان سے بہتر ہے۔

یہ شعر حافظ شیرازی کا ہے اور اس غزل کا شعر ہے

وصالِ او از عمر جاوداں بہ
خداوندا مرا آں دہ کہ آں بہ

ترجمہ۔ اس کا وصل عمر جاوداں سے بہتر ہے اے خدا مجھے وہ دے کیونکہ وہ بہتر ہے۔

خواجہ حافظ،دیوان حافظ،مترجم قاضی سجاد حسین(لاہور: پروگریسو بکس لاہور)، ص ۱۷۳۔

۹۷۔ ژند اصفہان کا دریا ہے۔ شاہ عباس کے دور میں تین طویل پُل تعمیر کیے گئے۔

۱۔ تخت فولاد کی طرف سے

۲۔ حلیف کی طرف سے

مینار ضیان(یہ در اصل مینار جنبان ہے یہاں ضیان کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے) اصفہان کا مینار جنبان عجائب خانہ میں شمار ہوتا ہے۔ شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک ہال ہے اس کے دونوں کونوں پر دو مینار ہیں۔

زور خانہ: زور خانہ مکان گوشہ دار ہے اور ہر گوشے میں طاق ہے جہاں کپڑے اتارتے ہیں اور اس کے درمیان ایک اکھاڑے کی جگہ ہے جسے گود زور خانہ کہتے ہیں اور اسے تین چار انسانی ہاتھ کے برابر کھودتے ہیں۔ پہلے ایک ہاتھ کے برابر کانٹا بچھاتے ہیں اور اُس کے اوپر گوبر اور اس کے اوپر نرم چھنی ہوئی مٹی ڈالتے ہیں ہیں تاکہ پہلوان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سب سے پہلے پہلوان تنگہ (لنگوٹا) پہنتا ہے جو جامہ کے نیچے سے زانو تک ہوتا ہے اور یہ سوتی ہوتا ہے۔ گھٹنوں پر چمڑا باندھتے ہیں اور کمر میں قلاب(حلقہ) پہنتے ہیں (مگر یہاں نہیں ملتا)۔

زور خانہ کے اسباب

تنبک: وہ شخص جو زور خانہ کا مالک ہے اسے سر دمدار یا کہنہ سوار کہتے ہیں۔ زور خانے میں چبوترے پر بیٹھ کر لوہے کی پلیٹ کو بجاتا ہے اور دوسرے کشتی کرتے ہیں۔

میل: ہر آدمی دونوں ہاتھوں میں دو گول سلاخیں پکڑتا ہے اور چھلانگیں لگاتا ہے۔ کبھی دو کندھوں پر رکھتا ہے، بالترتیب دائیں اور بائیں اوپر نیچے کرتا ہے۔ کبھی ایک سلاخ کو لیتا ہے اور ہاتھ کو سیدھا کر کے اپنے سامنے گھماتا ہے اور کبھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ہوا میں اُچھال دیتا ہے یہاں تک کہ گنبد تک اوپر جاتی ہے۔ واپس آتے ہوئے یوں پکڑتا ہے جیسا کہ ہاتھ میں ہی تھی۔

گبر: یہ دونوں سلاخوں کو سر کے اوپر گھمانے کے عمل کو کہتے ہیں۔

۹۸۔ سنگ دان: مستطیل شکل کا دو تختہ جو تین یا چار من تبریزی کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔

پہلوان زمین پر لیٹے سر اٹھا کر ایک کو پکڑ تا ہے اور بائیں جانب پلٹا کھاتا ہے۔ پھر بائیں ہاتھ کی طرف مڑ تا ہے۔ پنجہ الف کی طرح سیدھا اور دائیں طرف مڑ تا ہے اور اس طرح زور خانی کی ورزش ختم ہوتی ہے۔ زور خانہ میں جو بھی کام ہو تا ہے۔ شنو، اہل ہند کی پہچان ہے۔

پاؤں دیوار پر مارنا۔

تختہ شیلنگ: یہ پاؤں پر اچھلنا ہے۔ کبھی آپس میں کشتی بھی کرتے ہیں۔ پہلوان کو زمین پر چت کرنا زمین پر گرانا ہے۔

اس سے فارغ ہونے کے بعد زور خانہ کا مالک انگیٹھی پر پڑی کیتلی جس میں گرم پانی ہے، تھکے ہوئے پہلوانوں کو پلاتا ہے جو کشتی کرتے ہیں۔ حق چراغ یعنی پیسہ مانگتے ہیں جو سب سے پہلے چراغ (پیسہ) دے گا اس کو خدا یہ دے گا وہ دے گا۔ اور جو کوئی دوسرا چراغ دیتا ہے اس کے ساتھ ایسا ہوتا ہے ویسا ہوتا ہے اور یہ سارا زور خانچی کا حق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر کوئی ہفتہ میں اپنی حیثیت کے مطابق مثلاً شاہی دو شاہی تا عباسی دو عباسی اس کو دے دیتا ہے (شاہی وغیرہ کوئی مقدار پیسہ کا ہو گا۔)

ہر حمام ہفتہ میں دو دن عورتوں کے لیے اور باقی ایام مردوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ مردوں کے لیے مرد اور عورتوں کے لیے خواتین مالش کرنے والی ہوتی ہیں۔ مرد ہو تو پہلی مرتبہ چار یا پانچ شاہی اوسطاً لیتے ہیں۔ ۹۹

نیم قران

دس شاہی۔ ایک قران

پانچ سو دینار

بہن آباد

صبح صادق سے پہلے حمام کو کھولا جاتا ہے اور سارا دن شام تک کھلا رہتا ہے۔ استاد بیٹھا ہوتا ہے اور پیسے وصول کرتا رہتا ہے۔ حجام بال تراشتا ہے۔ جامہ دار قدیفہ (جسم کو نرم کرنے والی چیز) لاتا ہے اور حقہ پیش کرتا ہے۔

آب گیر: لوگوں کے سروں پر پانی ڈالتا ہے۔ دلاک اور اس کا شاگرد جسم کو ملتے ہیں اور صبح سویرے آنا ہو تو ایک کپ گرم پانی بھی پلاتے ہیں جو باہر سے آتے ہیں وہ اسے پیش بھی کرتے ہیں تاکہ وہ گرم ہو جائیں۔ یہ کام معمولاً جامہ دار کا ہوتا ہے۔

سب سے پہلے جامہ کن میں بیٹھتے ہیں اسے بینہ کہتے ہیں۔ حقہ پیتے ہیں جو بینہ دار لے کر آتا ہے یہ وہی جامہ دار ہے۔ کچھ دیر بعد اندر جاتے ہیں یہاں گرم پانی دیتے ہیں۔ جامہ کن کے آٹھ کھلے دروازے ہیں، آٹھ پہلو ہیں۔

حمام کے اندر کبھی کبھار مہندی اور خضاب بھی لگاتے ہیں اور نور دہا پیتے ہیں البتہ دو گھنٹے لگتے ہیں وگرنہ اس سے کم وقت لگتا ہے۔ کبھی تو متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ بازار سے کباب دانہ، روٹی، خربوزہ، انار،، برف ڈال کر شکنجبین پیتے ہیں، خواتین اکثر تربوز کھاتی ہیں۔ آدھا کر کے کاسہ کی شکل کر کے کھاتے ہیں جو خود حمام میں لے جاتی ہیں۔ مرد لے کے نہیں جاتے۔ عورتیں کیسہ اور پتھر اپنے ساتھ لے جاتی ہیں نورہ خانہ میں چونہ، ایک قسم کا پتھر، انڈا کو چینی فغفور کی طرح کرتے ہیں اور یہ مرتبے کو بلند کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ وہ دو دن جو عورتوں کے لیے مخصوص ہیں اس میں دو گھنٹے سورج نکلنے تک مردوں کے لیے ہیں تاکہ وہ غسل کر سکیں۔ اس کے بعد بینہ دار یا استاد حمام کی چھت پر جاتا ہے اور بگل بجاتا ہے تاکہ عورتیں جان جائیں اور حمام میں آئیں۔ اوباش اور لواطہ کرنے والوں کے درمیان یہ اصطلاح معروف ہے کہ اگر کسی سے وعدہ کریں کہ دو گھنٹہ سورج کے نکل آنے کے بعد فلاں جگہ پر جائیں گے اور تمہارے پاس حمام کے بگل کے وقت آؤں گا۔

تون حمام بوزن نون حمام کی وہ جگہ جہاں آگ لگاتے ہیں یعنی آتش دان۔

۱۰۰ ابھی دن کے تین گھنٹے ہو گئے ہیں اور دو گھنٹے باقی ہیں۔

۱۰۱ مرزا عباس کتب حکمت کے استاد کی قبر جو ایک ماہ پہلے فوت ہو گیا ہے، خواجہ حافظ کی قبر کے ساتھ ہے۔ یہ ایران میں تھا کہ کسی گداگر درویش کی غلط بیانی سے طلبا اور علما نے ان کے قتل کا فتویٰ لکھا کہ اس کا خون کرنا مباح ہے اور معتمد الدولہ نے اس بیچارے کو ان کے ہاتھوں سے بچا لیا اور علما کو تنبیہ بھی کی۔

مرزا عباس جو ملا صدر کی تصانیف، عربی اشعار اور شرح منظومہ وغیرہ جیسی حکمت کی کتابوں کا درس دیتا تھا بیس سے چالیس طالب علم اس کے درس میں حاضر ہوتے تھے۔ میر زفند کے قصیدوں پر شرح لکھی کہ ان

کے فارسی قصیدے بہت فصیح تھے اور دعائے رجبیہ پر بھی شرح لکھی۔ (یہ دعا رجب کے مہینے میں پڑھتے ہیں۔)

۱۰۲۔ قبر پر ایک بڑا مستطیل حوض (تالاب) اور ایک عمارت جس میں چار پتھر کے ستون ہیں، لمبائی میں خواجہ حافظ کی قبر کے برابر ہے اور اس کے درمیان وسیع صحن بھی ہے۔ مشرق کی طرف ماموں اور معتمد الدولہ فرہاد مرزا کی بہو کی قبر ہے۔ خواجہ حافظ کی قبر کی وجہ سے اسے حافظیہ کہتے ہیں اور شب جمعہ (جمعرات) عصر سے شام تک اکثر شیراز کے لوگ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔

۱۰۳۔ یہ قطعہ اس طرح ہے۔

چراغ اہل معنی خواجہ حافظ	کہ شمعی بود از نور تجلیٰ
چو در خاک مصلیٰ ساخت منزل	بجو تاریخش از خاک مصلیٰ

ترجمہ۔ اہل معنی کے چراغ، خواجہ حافظ نور تجلی کی ایک شمع تھے۔ جب خاک مصلیٰ کو منزل بنایا تو اس کی تاریخ خاک مصلیٰ میں تلاش کر (۷۹۱)۔

۱۰۴۔ جب قبر سے تم گزرو تو دعا مانگو۔ کہ دنیا کے رندانوں کی زیارت گاہ ہو گی۔

خواجہ حافظ، دیوان حافظ، ص ۱۲۳۔

۱۰۵۔ تیرے وصل کی خوش خبری کہاں ہے تا کہ جان سے ہاتھ دھولوں۔ میں عالم قدس کا پرندہ ہوں اور دنیا کے جال سے نکل جاؤں۔

تیری وفا کی قسم اگر تو مجھے اپنا غلام کہہ دے، کون و مکاں کی بادشاہی سے میں دست بردار ہو جاؤں۔

یارب ہدایت کے ابر سے بارش برسا دے اس سے پہلے کہ میں گرد کی طرح درمیان سے اٹھ جاؤں

میری قبر پر شراب اور مطرب کے بغیر نہ بیٹھ تا کہ تیرے شوق میں قبر سے رقص کرتا ہوا اٹھ جاؤں۔

اگرچہ میں بوڑھا ہوں پھر بھی تم کسی رات مجھ سے بغل گیر ہو جاؤ تا کہ صبح کو میں تیری بغل سے جوان ہو کر اٹھ جاؤں۔

اٹھ اور اپنا بلند قد دکھا اے میٹھی اداؤں والے تا کہ حافظ کی طرح جان اور جہان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ ص ۳۳۰۔ دیوان میں ان اشعار کے علاوہ دو اور اشعار بھی درج ہیں جو کہ یہ ہیں۔

تو مپندار کہ از خاکِ سر کوئے تو من	بجفائے فلک و جورِ زمان برخیزم

بر نخیزم زسر کوئے تو تا جادارم   ور رسد کار بجاں از سر جاں برخیزم

ترجمہ۔ تو یہ نہ سمجھ کہ تیرے کوچے کی خاک سے میں آسمان کے ظلم سے اور زمانہ کی زیادتی سے اٹھ کھڑا ہو گا جب تک جان ہے تیرے کوچے سے نہ اٹھوں گا اور اگر معاملہ جان تک بھی پہنچ جائے گا تو جان سے ہاتھ دھوں لوں گا۔

خواجہ حافظ، دیوان حافظ، ص ۳۳۰۔

۱۰۶۔ اے دل جہان کے بادشاہ کا غلام بن اور بادشاہ بن۔ ہمیشہ خدا کی مہربانی کی حمایت میں رہ۔

ہزار خارجیوں کو ایک جو کے دانہ میں نہیں خریدتے ہیں۔ اگرچہ وہ پہاڑ سے پہاڑ تک منافقوں کی پناہ ہوں۔

جس کو علی کی دوستی میسر نہ ہو وہ کافر ہے۔ خواہ وہ دنیا بھر کا زاہد اور طریقت کا شیخ ہو۔

اے علی آج میں تیری دوستی کی وجہ سے زندہ ہوں۔ کل کو اماموں کی روحوں کے طفیل تو گواہ رہنا۔

دین کے بادشاہ آٹھویں امام رضا کی قبر کو جان سے بوسہ دے دے اور اس کی بارگاہ کے دروازے پر رہ۔

اے حافظ شاہ کی غلامی کو اپنا پیشہ بنا۔ پھر طریقت میں مردان راہ کی طرح بن جا۔

خواجہ حافظ، دیوان حافظ، ص ۲۵۰۔

دیوان حافظ میں اس غزل کے ۱۳ اشعار اور بھی درج ہے۔ یہ تیسرا شعر ہے۔

چوں احمدم شفیع بود در روزِ رستخیز   گو ایں تن بلاکش من پُر گناہَ باش

ترجمہ۔ قیامت کے دن جب احمد میرے سفارشی ہوں تو کہہ دو کہ میرا یہ بلاکش جسم گناہوں سے پُر ہو۔

مقطع سے پہلے یہ دو اشعار اور درج ہیں۔

دستت نمیرسد ربچینی گلے زشاخ   بارے بہائے گلشن ایشاں گیاہ باش
مردِ خدا کہ زاہد و تقویٰ طلب بود   خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش

ترجمہ۔ تیرا ہاتھ نہیں پہنچتا کہ تو کسی ہاتھ سے پھول چنے۔ ایک باران کی پھول کی شاخ کے نیچے گھاس بن جا۔

وہ خدا کا مرد جو زہد و تقویٰ کا طالب ہو خواہ سفید کپڑے پہنے یا سیاہ کپڑے پہنے۔

خواجہ حافظ، دیوان حافظ، ص ۲۵۰۔

۱۰۷۔ دائرہ قطب سے باہر گیا۔ اس مصرع سے حروف ابجد کے حساب سے تاریخ نکلتی ہے۔

۱۰۸۔ لوح مزار شیخ سعدی رحمۃ اللہ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تیری ذات باقی رہے گی اور ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔

پاکیزہ خصلت اور حسین عادت والے۔ نیک لوگوں کے نبی امتوں کی شفاعت کرنے والے مخلوق کی شفاعت کرنے والے محشر کا سردار۔ رشد و ہدایت کے امام میدان حشر کے صدر نشین رسولوں کے امام راہ خدا کے پیشوا۔ خدا کا امین اور جبرئیل کا محل نزول

۱۰۹۔ شفیع مطاع نبی کریم۔ قسیم جسیم نسیم وسیم۔ یہ بیت گلستان شیخ سعدی میں ہے۔

ترجمہ۔ سفارش کرنے والے، اطاعت کیے گئے، نبی، سخی، حسین، بھاری بھرکم، پاکیزہ، خوبصورت۔

شیخ سعدی، گلستان سعدی، ص۔ ۷

۱۱۰۔ کوئی بھی گناہ کی گرد یار ہن میں نہیں رہے گا کہ جن کا اس جیسا سردار اور رہبر ہو۔

میں آپ کی تعریف میں کون سی نعت پسند کروں اے دنیا جہان کے پیغمبر تم پر درود و سلام۔

خدا کا درود آپ کی روح پر ہو آپ کے اہل بیت اور آپ کے پیروکاروں پر بھی ہو۔

خصوصاً دلدل کے شہسوار شہنشاہ علی ولی صاحب ذوالفقار پر ہو۔

اے خدا فاطمہ کی اولاد کے طفیل ایمان کے وعدے پر میرا خاتمہ ہو۔

میری دعا قبول کرے یا رد کرے میں آل رسول کا دامن تھام رکھوں گا۔

آپ کی خدا نے تعریف و تعظیم کی جبرئیل کو آپ کی قدر و منزلت کی زمین کا بوسہ دینے والا بنایا۔

لولاک کا افتخار تیرے مقام و منزلت کے لیے کافی ہے تیری تعریف میں طٰہٰ اور یٰسین کے القابات کافی ہیں۔

اہل عالم تیرے اوصاف بیان کرنے سے قاصر ہیں قرآن آپ کے جاہ و جلال کا معترف ہے۔

ناقص العقل سعدی آپ کی تعریف کیا کرے اے نبی آپ پر درود و سلام ہو۔

یہ نعت بوستان میں اس عنوان سے موجود ہے، در نعت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ۔

نعت کے چند اشعار لوح مزار پر درج ہیں۔

شیخ سعدی، بوستان، مترجم ملک محمد عنایت اللہ (لاہور: ملک محمد دین اینڈ سنز)، ۱۹۳۴ء، ص ۱۰۔ ۱۳۔

۱۱۱۔ مرزا علی اکبر شیرازی پہلے شیراز کا قوام تھا۔ قوام حکومت کا خطاب ہے جو بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس قوام کے دو بیٹے ہیں۔ مرزا محمد علی خان جن کا ذکر خواجہ حافظ کی قبر کے ساتھ ہوا۔ دوسرا مرزا فتح

علی خان جو ابھی شیراز کا صاحب دیوان ہے جو جلال الدولہ کی نیابت میں حکومت کرتا ہے۔ صاحب دیوان نے اپنے بھائی کی قبر حافظیہ کے ساتھ تعمیر کر کے باغ دلکشا کو سعدیہ کے راستے میں تعمیر کیا جو ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے وہاں بہت سارے بو قلمونوں کو رکھا ہوا ہے۔ اکثر خواتین و حضرات ہر سال اکیلے وہاں جاتے ہیں۔

فیروز آباد شیراز سے متعلق ایک شہر ہے۔ شیراز سے تقریباً دو منزل کے فاصلے پر مغرب میں واقع ہے۔ قدیم زمانے میں بہت گنجان آباد تھا اور اس کی اکثر آبادی پہاڑیوں پر تھی۔ چنانچہ گھروں کے کھنڈرات اور پرانے چکی وغیرہ کے آثار ابھی تک باقی ہیں۔ محمد بن یعقوب محمد الدین فیروز آبادی کا تعلق بھی وہاں سے تھا۔

فساء بھی شیراز کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔ شیراز کے دو منزلوں کے فاصلے پر جنوب میں واقع ہے یہ بڑا قصبہ ہے اور سید علی خان بلاغت مصنف شرح صمدیہ اور صحیفہ سجادیہ کا تعلق اس علاقہ سے ہے۔

بیضاء شیراز کے علاقوں میں سے ایک ہے جو دو تین منزل کے فاصلے پر شمال کی جانب ہے اور ناصر بن عبد اللہ بیضاوی مصنف تفسیر بیضاوی کا اس علاقہ سے تعلق ہے۔

۱۱۲ ترجمہ۔ ۵۰۰ ہجری مصطفوی کی ۱۴ تاریخ، بروز اتوار کو اس مسجد کی لکڑی کے دروازوں کی بنیاد رکھی گئی اس کا دورانیہ ۵۰۰ اور ۷۰۰ھ کے درمیان میں تھا۔ اُن پہ لاکھوں درود و سلام ہو، جنھوں نے دوبارہ اس کو کھڑا کیا پھر امیر اعظم شمس الدین اور علما نے ۸۴۰ھ میں ان دروازوں کو دوبارہ کھڑا کیا۔ (محترمہ شیراز اختر)

۱۱۳ مرغی ہے۔

۱۱۴ خدا نہ کرے۔

۱۱۵ انڈا ہے۔

۱۱۶ انشاءاللہ نہیں ہو گا۔

۱۱۷ یہ پیسے حاضر ہیں۔ لیکن آپ مفت میں اللہ کی خاطر دیں گے یا قیمتاً؟ (پیسے کے بدلے میں دیں گے۔)

۱۱۸ تابوت نکالنا۔

۱۱۶ ۲۲ جمادی الاول۔ تہران سے شاہ عبد العظیم ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے جو امام رضا کے برادر حقیقی ہیں۔ امام زادہ طاہر کا گنبد سامنے اور امام زادہ حمزہ کا گنبد ان کے پہلو میں واقع ہے۔ امام زادہ حمزہ حضرت

امام زین العابدین کا بیٹا ہے۔ شیخ ابن بابویہ قمی علیہ الرحمۃ جو شاہ عبد العظیم سے خاتون آباد ۵ فرسخ پر چشمہ علی کے کنارے پر مدفون ہے ایک عمارت جدید بنی ہوئی ہے جسے شاہ نے جدید بنایا ہے۔ یہ قبر دراصل طغرل نگین کی ہے جس کی تحقیق کتب خانہ مشہد میں ایک کتاب سے ہوئی ہے۔ بائیس جمادی الاول ۱۳۰۴ھ بروز اتوار تہران سے شاہ عبد العظیم پر قیام کیا۔ یہ امام رضا کے حقیقی بھائی ہیں امام زادہ طاہر اور امام زادہ حمزہ ان کے پہلو میں مدفون ہیں۔ امام زادہ حمزہ امام زین العابدین کا بیٹا ہے۔ اس کے بعد شیخ ابن بابویہ قمی کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے گیا جو چشمہ علی کے کنارے پر واقع ہے۔ اس کے جنوب میں منقش عمارت ہے جو پہلے قبر بادشاہ گمنام کے نام سے مشہور تھی۔ جب بادشاہ مشہد مقدس میں زیارت کے لیے گیا تو وہاں کتب خانے کی ایک کتاب سے معلوم ہوا کہ یہ قبر طغرل نگین کی ہے اور یہ عمارت شکستہ تھی۔ اس کی از سر نو مرمت کی۔

۱۲۰۔ تیئس جمادی الاول کو خاتون آباد سے ایوان کیف گئے جو سات فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ بری جگہ ہے سرائے کی عمارت بھی خراب ہے۔ کھانے پینے کے لیے بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔

چوبیس جمادی الاول کو ایوان کیف سے قشلان جو پانچ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اردون کے راستے پر ایک گاؤں ہے۔ ۲۵ جمادی الاول کو قشلان سے دہ نمک گئے راستے میں ۵ فرسخ کے فاصلے پر ایک گاؤں اردون دیکھا۔ وہاں ایک تین منزلہ اونچی عمارت ہے جو ترکمانوں کے خوف سے بنائی گئی تھی۔

چھبیس جمادی الاول کو دہ نمک سے لاسگرد گئے۔ سات فرسخ کے فاصلے پر یہاں بھی وہی عمارت ہے۔ یہاں ہمسایہ میں مراد علی کو دیکھا جو چھبیس سال سے بخارا میں قید غلامی میں تھا ابھی آزاد ہوا تھا۔

ستائیس جمادی الاول، لاسگرد سے سمنان جو ۴ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔

اٹھائیس جمادی الاول، ایک دن قشلان میں گزارا۔

انتیس کو سمنان سے اہوان جو چھ فرسخ پر ہے۔ اہوان میں پانی کی کمی ہے۔ پانی کے لیے بہت محنت کرنی پڑی۔ جب منزل سے تین فرسخ کا فاصلہ باقی تھا اور برف پڑی ہوئی تھی اور ہر لحہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ منزل پر پہنچ گئے۔ تمام راستہ سفید تھا۔ اہوان میں سرائے شاہ عباسی کو حاجی علی نقی نے ۸۵ھ میں مرمت کیا تھا۔

تیس جمادی الاول کو اہوان سے خوشہ جو ۶ فرسخ ہے اور منزل بالکل ویران ہے۔ راستے میں پانی تھا اور برف پگھل چکی تھی۔ آغا محمد یوسف سے ملاقات ہوئی جو رسالہ غلامان خاصہ میں ڈاکٹر ہیں۔

۱۲۱ ۱۔ قوشہ: دامغان سے چھ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ یہ منزل بھی ویران ہے۔ دامغان کے راستے میں سب سراب ہے اور شہر کے باہر سرائے شاہ سلیمان ہے۔

۲۔ دامغان سے دہ ملا، سات فرسخ ہے۔ راستہ اچھا ہے۔

۳۔ دہ ملا سے شاہ رود۔ دس فرسخ راہ خوب ہے۔

۴۔ شاہ رود سے میاجے دس فرسخ۔

میاجے سے مہاں دشت چھ فرسخ۔

مہاں دشت سے عباس آباد چھ فرسخ۔

تہران سے قزوین۔

تہران سے کرج چھ فرسخ۔

کرج سے گازرسنگ چھ فرسخ۔

گازرسنگ سے عبداللہ آباد چھ فرسخ۔

عبداللہ آباد سے قزوین چار فرسخ۔

تہران سے رباط کریم چھ فرسخ۔

رباط کریم سے خان آباد نو فرسخ۔

خان آباد سے کوشلک چھ فرسخ۔

کوشلک سے آزادہ چھ فرسخ۔

آزادہ سے نیاوراں چھ فرسخ۔

نیاوراں سے تاوراں چھ فرسخ۔

تاوراں سے عبداللہ آباد چھ فرسخ۔

عبداللہ سے ہمدان چھ فرسخ۔

۱۲۲ سولہ جمادی الثانی بروز منگل، سبز وار میں۔ آغا مرزا عبد الغفور صاحب کو تلگراف خانہ میں دیکھا۔ بہت مہربانی کے ساتھ پیش آئے۔ کرنل آغا محمد اسماعیل تلگراف خانہ میں اس کا قائم مقام تھا۔ مسجد جامع بہت بڑی بنی ہوئی ہے لیکن کسی کو معلوم نہیں یہ کب بنی ہے۔ علما اور طالب علموں سے جب اس کے بارے میں پوچھا تو ہنسنے لگے اور کہا کہ ہمیں اس سے تعلق نہیں ہے۔

ایک شخص نے کہا کہ نواب کی ایک بیٹی اس کی بنیاد کا سبب بنی البتہ چار سو سال ہو گئے ہوں گے۔ کسی نے کہا کہ یہ ایوان پیشبند ہے۔ اس کا پہلا اور دوسرا دروازہ بند کیا ہے جو تقریباً پچاس سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔ ہم بچپن سے دیکھتے آرہے ہیں کہ یہ آغا شریعت مدار نے تعمیر کرایا ہے۔

اس میں ایک مدرسہ، کہتے ہیں کہ یہ نادر شاہ کے زمانے میں تعمیر ہوا ہے، اس کے دروازے پر تاریخ تحریر ہے۔ اس کے آخری لفظ کے معنی نہیں۔ جب لوگوں سے پوچھا تو کسی نے جواب نہیں دیا۔ یہ مدرسہ حاجی ملا ہادی شیرازی کے نام سے مشہور ہے جو چھ سال پہلے مرحوم ہو گئے ہیں۔ شہر کے باہر ان کی قبر ہے۔ علم الہیات کو قرآن و حدیث سے مربوط کرتے تھے وہ خود صاحب نظر تھے۔ کہا جا سکتا ہے بڑے اللہ والے اور مقدس آدمی تھے۔

دوسرا مدرسہ جناب حاجی مرزا ابراہیم شریعت مدار نے تعمیر فرمایا اس کی عمارت قائم ہے اور اس کے مینار ارد گرد سے گرنے والے تھے۔ شاہ نے، اللہ اس کی بادشاہت قائم رکھے، مشہد کے سفر میں جاتے ہوئے اس مینار کے اطراف میں ایک سکون بنایا جس کی حالت ابھی بہتر ہے۔

سبز وار میں تریاک بہت کاشت ہوتی ہے۔ گون آباد میں یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہاں تک آٹھ منزل دور خواف سے گندم منگواتے ہیں۔ تاغی کوئلہ سبز وار کے صحراؤں سے نکلتا ہے اور مشہد بھی یہاں سے لے جاتے ہیں۔ بہسن شہر سبز وار سے دو فرسخ پہلے تہران کے راستے میں آباد تھا جو ابھی بالکل ویران ہو چکا ہے۔

گون آباد سبز وار سے بارہ فرسخ کے فاصلے پر دائیں طرف ایک قصبہ ہے۔ دہنان کے راستے میں پانی رواں ہے جس پر پل ابریشہ تعمیر کی گئی ہے لیکن اس صحرا میں اخوند ملا سلطان علی بڑے اللہ والے اور صاحبِ کشف و کرامات وہاں موجود ہیں۔

دامن کوہ میاجے اکبر سے کوہ مندرسن۔ خون کلاہ استر آباد پر مدرسہ منصبیہ ہے جہاں حاجی ملاہادی درس دیتے تھے۔ مدرسہ فخریہ اسی کے صنائع سے بنایاہے اور غالباً یہ شاہ عباس کے بنے ہوئے تھے۔ بسطام کا علاقہ شاہ رود سے ایک فرسخ کے فاصلے پر دائیں طرف واقع ہے معصومہ قم میں فتح علی شاہ، محمد شاہ، شاہ عباس، ناصرالدین شاہ موجود ہیں۔ [کذا]۔ عباس مرزا مشہد میں نبیرالدولہ حاکم سبزوار پسر فتح علی شاہ ساٹھ سال کا ہوگا۔ نادر قلی میرزا صفی آباد گیا تھا جو سبزوار سے دس فرسخ کے فاصلے پر ہے وہ بدنام آدمی ہے اصل نام حسین آباد تھا وہاں سے ایک ابوبکر نامی آدمی نکل آیا اور پیسے جمع کرنا شروع کیے۔ اس دن سے گاؤں میں بدنام مشہور ہوگیا۔ نادر قلی مرزا، شاہ عباس کا بیٹا ہوگا، یہ بات تحقیق طلب ہے۔

۱۲۳۔ فساد کی بنیاد آصف الدولہ کے بارے میں حکم تعدیل تھا۔ حاجی عبدالکریم کے مقدمے نے آگ پر تیل کا کام کیا جو کہتا تھا کہ میں پیسہ قسطوں میں دوں گا۔ آصف الدولہ نے کہا قرض خواہوں نے تنگ کیا تو اپنے آپ کو بند کر لیا، آئین کے مطابق نہیں کیا۔ حاجی مرزا ابراہیم مشہد میں تھا، آغا محمد علی بھائیوں سے جھگڑے کی وجہ سے سبزوار میں تھا۔ یہ جھگڑا سخت تھا۔ بادشاہ نے بھی خط لکھا مگر مرزا محمد علی نے انکار میں جواب دیا۔ آغا محمد علی بہت رونے والا اور دل والا آدمی ہے۔ بر خلاف اس کے کہ آغائے بزرگ آغا محمد نقی نے تقویٰ اختیار کیا اور اس پر بھی فائق ہے۔ آغائے بزرگ آغا محمد علی کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اور علم میں بھی کم ہے۔ یہ سید ایک بڑے گھرانے سے ہے ان سے تعلق نہیں رکھتا ہے، یہ پانچ بھائی ہیں۔ ۱۔ حاجی مرزا ابراہیم شریعت مدار، ۲۔ حاجی مرزا محمد علی، ۳۔ حاجی مرزا عبدالکریم، ۴۔ حاجی مرزا حسن، ۵۔ حاجی مرزا زین العابدین مشہد میں ہے اور مجتہد ہے۔ ان کا اصل سبزوار ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فارس کو فتح کیا تھا تو حضرت امیر (علی علیہ السلام) نے سفارش کی تھی جب وہاں پہنچے تو ایک ایسا شہر آباد ہے، اس کا نشان پوچھا تو فرمایا، ایک پرانے نالے کے سامنے ہے اور مختلف مقامات سے پوچھتے رہنا اور جہاں آپ کا قیام ہوگا، وہاں ہے چنانچہ معلوم ہوا اور یہ حلیہ مدح ہے اور مدح خاکستر کی نفرین سے۔ حضرت (ع) خاکستر ہوگیا ہے جو ابھی تک ہرات میں موجود ہے۔

جمعرات اٹھارہ جمادی الثانی کو شور آب میں، مرزا مشتشار الملک پندرہ سال پہلے تعمیر ہوا ہے [کذا]۔ پانی کے تمام ذخائر نمکین ہیں۔ لوگ پانی کاریز سے پیتے ہیں۔ ہماری منزل زعفرانی تھی مگر بارش کی وجہ سے رباط سریوش پر قیام کیا۔ رات کے آخری حصہ میں ہم نے وہاں سے کوچ کیا۔ راستے میں زعفرانی طریقے کو

دیکھا۔ دور سے قلعہ خوش نما دکھائی دیا۔ کارواں سرائے آصف الدولہ نیچے تھی اور یہ قدیمی کارواں سرا تھی۔ شاہزادہ حمزہ نے تعمیر نو کی ہے۔ راستے میں سرا آصف الدولہ کے ہم رکابوں کے کچھ قاتر (خچر) مر گئے اور چند گدھے کیچڑ میں پھنس گئے۔ راستے میں کربلائے ملا حسن سے ملاقات کی۔

بیس جمادی الثانی بروز ہفتہ، طاق کردن، یہ اصفہانیوں کی اصطلاح ہے۔ یہاں فصحا نہیں کہتے ہیں "سر بود" بالا بود۔ ہر چیز کی قیمت جب بڑھ جاتی ہے لیکن فصیح لوگ "بر سر" کے لفظ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملا اپنی عبایا کو میرے عبایا سے تبدیل کریں۔ پانچ ہزار سر لیں۔ عام لوگوں کا کہنا ہے جو اس کا سر ہے اپنی کے لیں (سر ایک اصطلاح ہے) ہمیں بڑھ جائے بڑھنے دو اور ہم سے لے لو (کندہ زانو بندہ زانو) جاہل دختر نوجوان۔ جیغ آواز و صد یک جیغ راباشد ترست، یہ خاص اصطلاح ہے نوجوان لڑکیوں کی اصطلاح ایک سے بڑھ کر ایک ہے، مگر اہل صحرا کی اصطلاح میں واویلا ہے۔ ٹیلیگرافچی آغا مرزا محمدی شیرازی اور حسن خان سرہنگ صدر ٹیلیگراف کا گھر نیشاپور میں ہے۔ حاجی محمد باقر خان معزول اور مرزا محمد حسن مستعفی نائب الحکومت ہوا ہے۔

جامع مسجد نیشاپور کی تعمیر ۸۹۹ھ میں ہوئی ہے جسے علی کرخی نے تعمیر کرایا۔ کرخ، ہرات کے ایک گاؤں کا نام ہے جو قوشنج گاؤں کے سامنے ہے۔ علی کرخی کا مقبرہ دروازہ مسجد کے ایوان کے تہ خانے میں واقع ہے۔

آغا شیخ فضل اللہ ولد آغا شیخ الاسلام و آغا ملا روح الدین چار بھائی ہیں۔ شیخ ابراہیم، مذکورہ شیخ، شیخ مسعودہ، شیخ عبد الحسن۔ تقریباً ایک سو بیس سال کے ہیں کہ ان کے بزرگ ہندوستان میں شاہ جہان آباد سے مشہد آئے۔ ملا رفعت اور ملا عزت مشہد میں علم و دانش میں مشہور تھے اور نیشاپور میں سکونت اختیار کی۔ یہ صفویہ کے اواخر اور قاچاریہ کے اوائل کا دور تھا۔ یہ چاروں بھائی کریمانہ اخلاق کے مالک اور اپنے خاندان کے بزرگ ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار کی قبر بھی یہیں ہے۔ پرانے نیشاپور شہر میں ہے، جو شہر مریم کے نام سے مشہور ہے اور یہ شاد باغ کی عمارت ہے اور شاد باغ نیشاپور کے بادشاہوں کی جگہ ہے اور سات مرتبہ ویران اور سات مرتبہ تعمیر ہوا ہے۔ کبھی برف باری سے کبھی زلزلے سے، کبھی سیلاب سے کبھی سنگ باراں سے، پانچویں مرتبہ گلگیر چھٹی مرتبہ شاہ درانی افغانی کے اواخر میں ہوا۔

ترب آباد: ابھی ایک گاؤں کی صورت میں ہے کہ وہاں الب ارسلان کی عمارت ہے۔ پہاڑی کے اوپر ایک عالی شان محل اور حمام وغیرہ ابھی بھی باقی ہیں۔

فضل ابن شادان کی قبر شہر سے تقریباً ایک فرسخ کے فاصلے پر موجود ہے۔ اُس مرحوم کے قبر مطہر پر لکھا ہوا ہے کہ ایک نووارد شخص نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک کتاب مطالعہ فرمار ہے ہیں پوچھا کہ یاضرت آپ کس کا مطالعہ فرمار ہے ہیں؟ فرمایا یہ احادیث ہیں جو فضل نے جمع کیں ہیں۔ دوبارہ نگاہ فرمائی، صفحہ بہ صفحہ ورق بہ ورق نگاہ فرمائی ااور فرمایا، حق ہے اس پر عمل کیا جائے۔ کسی اور مجلس میں ہے کہ حضرت نے تین مرتبہ فرمایا رحمۃ اللہ الفضل۔ کسی اور روایت میں ہے اغبطو اھل الخیر بہ مکان الفضل۔

شیخ ابوالحسن شاہزادہ محروق کا دربار (مقبرہ) خوب صورت ہے، وہ امام زادہ ہیں اور امام محمد باقر کے اولاد میں سے ہیں۔ شاہ سلطان حسین اصغر وغیرہ بھی وہیں مدفون ہیں۔ یہ معروف ہے کہ وہاں بارہ ہزار عرف (معروف لوگ) مدفون ہیں۔

۱۲۴ میں نے کربلا کے راستے میں ملا حسن سے ملاقات کی۔

۱۲۵ یارب یہ ارض مقدس کیا مقام اور کیا جگہ ہے جو زمین سے لے کر آسمان تک انوار خدا کا مظہر ہے۔

۱۲۶ بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۱۲۷ مقام خاتون آباد میں قیام ہوا۔ بہت بری جگہ ہے کھانے کو بھی کچھ نہ ملا۔

ہم چوبیس جمادی الثانی کو یوم سہ شنبہ سات فرسخ طے کر کے ایوان کیف پہنچے۔ بری جگہ ہے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ ایوان اس لیے کہا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں بادشاہ اور امرا تفریح کے لیے یہاں آئے تھے یہاں خوشیاں مناتے تھے چنانچہ خا ایک خام ٹیلہ آبادی کے پہلو میں ابھی تک ایوان کی یاد دلاتا ہے۔

۱۲۸ پچیس جمادی الثانی کو چہار شنبہ ایوان کیف سے کوچ کرتے ہوئے راستے میں اردون نام کے گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بہت وسیع مدور (گول) عمارت دیکھی جس کی تین منزلیں سکونت کے لیے بنائی گئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ترکمان حملہ آوروں کے خوف سے بنائی گئی تھی اور اسے قلعہ کہتے ہیں اور ہم نے دہ نمک میں قیام کیا۔ ایوان کیف سے قشلان پانچ فرسخ اور وہاں سے دہ نمک چھ فرسخ پر ہے۔ کاروان شاہ عباس میں آکر آرام کیا۔

چھبیس جمادی الثانی یوم جمعرات کو دہ نمک میں بھی وہی عمارت دکھائی دی۔ مراد علی ہمدانی سے ملے جو بخارا سے آرہا تھا۔ دس سال سے وہاں قید غلامی میں تھا۔ پھر سولہ سال نوکری کی۔ چالیس تومان دے کر بند

عبودیت سے رہائی پا کر اب اپنے وطن جا رہا ہے اور لاسگرد میں قیام ہوا۔

چھبیس جمادی الثانی جمعرات کے دن شیخ بہائی ولد شیخ عبد الحسن العاملی اور ان کے برادر زادہ (بھتیجا) شیخ عبد الصمد جو اس کے سامنے کے گوشے میں آرام فرما رہے تھے کے لیے فاتحہ پڑھی۔ اسی لیے فوائد صمدیہ شیخ طوسی کے قتل گاہ میں لکھی گئی تھی۔

وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

وہی باقی رہنے والا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔

یہ مرقد شریف فاضل کامل عالم فروع واصول کے حاوی معقول ومنقول علوم کے جامع فضل بن حسن الملکی ابو علی طبرسی تاب ثراہ۔ اس کے بعد سات شعر لکھے ہوئے ہیں جو کہ پڑھے نہیں جا رہے۔ آخر میں لکھا ہوا ہے۔ یقیناً ۵۴۸ھ میں وفات پائی ہے۔

پرانے صحن میں مرزا جعفر کے مزار کے مقبرہ کے دروازے پر لکھا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مرقد عالم عامل مرحوم المغفور مقدس مسرور محمد بن الحسن الحر العاملی متوفی بارہ رمضان ۱۰۰۴ھ ہے۔

ستائیس جمادی الثانی بروز جمعہ لاسگرد میں کارواں سرائے شاہ عباس میں راحت نصیب ہوئی۔ یہاں سے ایک دن بعد سمنان منزل ہوئی۔

انتیس جمادی الثانی بروز اتوار سمنان شہر جو مختصر (چھوٹا) ہے مدرسہ ہے جو مختصر (چھوٹا) ہے۔ ایک خوب صورت مسجد ہے۔ حاجی مرزا محسن نے اس کی تعمیر نو کر کے اس کے مینار پر اپنا نام لکھوایا ہے۔ یہاں مرزا اختر جو مرزا یغما کا نواسہ ہے، سے ملاقات کی۔ کانسی کا حقہ اور چلم لاتے ہیں۔ افسوس افسوس۔ اگر باپ کی میراث چاہتے ہو تو باپ کا علم سیکھو۔ دوسرے دن اہوان کے گاؤں پہنچے، ایک ایسا شہر ہے جس کا نام ونشان مٹ گیا ہے۔ ایک سڑک بنائی گئی ہے اور حاکم کے لیے بلند مکان کھڑا کیا گیا۔

۱۲۹ا ندی کنارے میں بہت تکلیف ہوئی۔ جب منزل میں تین فرسخ باقی تھے، برف نمودار ہوئی۔ قدم قدم پر زمین بہت گہری تھی۔ ہم منزل پر پہنچے وہاں پانی بہت تھا۔ سردی بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ جگہ سردی کے لیے بہت مشہور ہے سرائے شاہ عباس جو ویران تھی۔ حاجی علی نقی تاجر نے ۱۲۸۵ھ میں دوبارہ تعمیر کیا۔ راستے میں برف پڑی اور دوبارہ رستہ صاف ہو گیا مگر سردی غضب کی تھی۔

قوشہ: ویران جگہ ہے۔ حسب دستور کارواں سرائے موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف سے یہاں ملاقات ہوئی شاہ کے غلاموں کے رسالہ میں ڈاکٹر ہیں۔ قوشہ سے دامغان چھ فرسخ ہے۔

۱۳۰ گوشہ تنہائی میں بیٹھنے والے کو تکلیف نہیں پہنچتی۔

۱۳۱ صحرا کتنا خوب صورت ہے کہ اس کا دروازہ نہیں ہے۔
مفلس کا گھر کتنا خوب صورت ہے کہ اس کا دروازہ نہیں ہے۔

۱۳۲ تم کون ہو؟

۱۳۳ زرعان بازدارد۔ ضروری سامان فراہم کیا جائے ایک دن ہمیں وہاں رکنا ہے کہ قافلہ کل روانہ ہوا تھا۔ خچر والے نے کہا کہ میں نہیں جا سکتا میرا مال (خچر) کمزور ہے۔ زرعان اور کنار آب سب کیچڑ ہے کیونکہ چاول کی کاشت کرنے کی جگہ اور موقع ہے۔ ملا آخوند سے ملاقات کے لیے گیا۔

۱۳۴ مقصورہ اور طاق جامع مسجد کو زمانے کے گزرنے خراب کر دیا تھا
غیب سے امر ہوا اور علی ببر کے سایہ میں تاریخ بنی۔ ۹۰۴ھ۔

۱۳۵ عظم رمیم کی طرح یہ صفہ باقی تھا۔ کعبہ کی طرح احیائے عظیم پایا۔
اس عمارت کی تاریخ دل سے "ثانی بنائے طیب ابراہیم" پائی۔

۱۳۶ بیگلر بیگی اور فوجی سردار عریضہ خان کی درخواست پر سارے خراسان سے سالانہ ایک سو پچاس تومان راہ داری کے وجوہ، کھانے پینے، قد غنچی گری اور چوکیداری وغیرہ کے سلسلے میں چالیس تومان خانہ شماری اور مردم شماری وغیرہ اور علوم و عبادات میں مصروف رہنے کی وجہ سے معاف ہو گئے۔ ۱۱۰۶ھ۔

۱۳۷ شاہ ابوالغازی سردار ایوب خان حکم صادر کرتا ہے کہ جب غوری کے قوم اپنے آپ کو حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت دیتی ہے جن کا سلسلہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے ملتا ہے لہذا پیداوار کے ٹیکس سے بری ہو گئے ہیں ۱۲۹۸ھ۔

۱۳۸ جب ہاتھ سے نکلا ہوا ملک واپس ملا تو ولی عہد موسیٰ خان کو چاہیے کہ اس کے شکرانے میں کپڑے فروش، دکان دار چمڑے والا، انگریز اور جوہری وغیرہ رعایا پر شفقت و مہربانی مبذول فرمائیں ۱۲۹۹ھ۔

۱۳۹ خلاصہ یہ کہ جب بادشاہ کے دروازے پر گئے تو بادشاہ نے ان کو وہ رقم معاف کر دی۔

۱۴۰ کہ فرنگی آدمی کافر ہوتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ کس نے مارا۔ جو ہو گیا سو ہو گیا

تو ترجمہ یوں ہو گا۔ یورپین کافر ہوتا ہے جو کہ جانتا ہے مارا گیا ہے۔

۱۴۱ شاہراہ کے کنارے درمیانے درجے کی عمارت جو کہ حقیقت میں مدرسہ اور عید گاہ تھی۔ ایک فرسخ بڑا خوب صورت سنگ مرمر دکھائی دیتی تھی لیکن سب کی سب ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ شاید یہاں سلطان حسین باستقر کی قبر ہے۔ اور اس کے دائیں طرف غیاث االدین ولد باستقر سلطان ابن عمر شیخ ہے ۸۴۳ھ۔

۱۴۲ ۵۔ آغا سید علی اکبر اردگانی اور یہ اردگان فارس کے ایک علاقہ کا نام ہے، یزد نہیں ہے۔ آغا پہلے تدریس کرتا تھا اب بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کرتا۔ مسجد حاجی مرزا ہادی کی امامت پر قناعت کرتا ہے۔ ان کی عمر ستر کے لگ بھگ ہے۔ خدا ان کی عمر دراز کرے۔ علوم پر تبحر حاصل ہے۔ کربلا اور نجف سے فارغ التحصیل ہے۔

۶۔ آغا سید علی اکبر موالی قوم مولیٰ سے ہیں۔ جید عالم ہے۔ خصوصاً فقہ، اصول اور قرات میں یکتائے روزگار ہے۔ پڑھاتا کم ہے۔ خانہ نشین ہے۔

۷۔ حاجی شیخ عبدالجبار جرجی (شیراز کے جنوب میں تیس فرسخ کے فاصلے پر فارس کا علاقہ ہے)

فقہ و اصول کے ماہر اور مسجد حاجی مرزا محمد میں امامت کرتا ہے۔ گمان یہ ہے کہ ان کی عمر پچاس سال ہے اور کربلا میں شیخ کی خدمت میں کم اور مدرسہ حاجی مرزا محمد حسن کی شاگردی میں زیادہ وقت گزارا۔ اس وقت وہ طالب علموں کا مرجع ہے۔ مرحوم حاجی قوام شیرازی کے مدرسے میں مدرس ہے۔ ۶۰۔ ۷۰ تومان تنخواہ ملتی ہے۔

۸۔ شیخ محمد باقر اصتہبانا (اصتہبانا فارس کے قصبوں میں ایک گاؤں کا نام ہے جو شیراز کے مشرق میں تقریباً ۳۵ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔) تمام علوم کے ماہر ہیں۔ علوم معقول و منقول علمائے تہران سے پڑھے ہیں۔ پچاس سال سے اوپر نہیں۔ افسوس کہ قسمت ساتھ نہیں دیتی۔ شیراز کے لوگوں نے ان کا مقام نہ جانا، نہ عوام نے نہ خواص اور طلباء۔ باقی علما بہت زیادہ ہیں حساب سے زیادہ ہیں۔ کچھ حکمت الٰہی بھی دیکھنے میں آئی۔

۹۔ حاجی شیخ محمد طاہر عرب بصرہ کے ایک دیہات سے ہیں۔ پچیس سال سے زیادہ عمر ہے اور شیراز میں سکونت اختیار کی ہے۔ مسجد حاجی قوام قند میں امامت اور مدرس ہے لیکن دوسرے علما سے زیادہ تعلقات نہیں رکھتے ہیں کیونکہ تھوڑا سا فضولی (بے تکی بات کرنا) ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام مہدی سوڈانی

کی امامت کا قائل تھا جو بائیس شعبان ۱۳۰۲ھ کو سوڈان میں مرض سیاہ سے مرا اور بندہ (میں) نے بوشہر میں اس خبر کو سنا ہے۔

کربلا اور نجف میں فقہ اور اصول اور تھوڑی سے مقدمات کے علاوہ دوسرے علوم کا رواج نہیں ہے لیکن تہران میں علوم معقول مثلاً کلمہ، ہندسہ، حساب، ہیت، کلام، جغرافیہ وغیرہ پڑھانے کا رواج ہے اگر کوئی سیکھنا چاہے تو تہران جائے۔

۱۴۳۔ حافظ جام کی مرید ہے اے باد صبا جا اور مجھ بندہ کے آداب شیخ جام کو پہنچا دے۔

خواجہ حافظ، دیوان حافظ، ص ۳۸۔

۱۴۴۔ شیخ اسلام احمد جام کی وفات ۵۳۶ سال ہجری ہوئی۔ ولادت ۴۴۲ھ اور چورانوے سال عمر تھی۔

۱۴۵۔ مشہور مرشد شیخ گرامی احمد جامی عمت برہ اس کی تاریخ وفات چاہتے ہو تو احمد جامی قدس سرہ سے۔ حروف ابجد میں ۱۰۱۴ھ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ تحریر محمد معصوم بھکری ۱۰۱۲ھ۔

۱۴۶۔ مرو اصل کنارہ ہے کہ عہد سلف میں اس کا استطخر نام تھا۔ تخت جمشید اور نقش رستم اسی جگہ ہے۔ اہل نظر کے لیے مقام عبرت ہے۔ رستم کی تصویر گھوڑے پر سوار ہے اور اس کی بلندی اس کے گھوڑے کے ساتھ دو آدمی کے قد کے برابر ہے یا اس سے تھوڑا زیادہ ہے۔ اس کے سامنے ایک اور پہلوان کھڑا ہے۔ ایک فولادی حلقہ ان کے درمیان ہے دونوں اس پر زور آزمائی کر رہے ہیں۔ اس کا نام رستم کلدست ہے یعنی محبوب کے ہاتھ کیونکہ اس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ رستم کے پیچھے ایک اور پہلوان ہے جو رستم سے بھی زیادہ موٹا ہے اور چاہتا ہے کہ لڑکی کو وہاں سے لے جائے اور لڑکی کا باپ آیا ہوا ہے اور اس کو پکڑا ہوا ہے۔ دونوں نے اس لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالا ہوا ہے اور اس کا دائیں ہاتھ ناف کے نیچے پہنچا ہوا ہے۔ اسی کے نیچے بلند کمرے بطور تہ خانے بنے ہوئے ہیں کہ اس میں سے بہت سے منہدم ہو چکے ہیں۔ اس میں دو تین باقی ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف بھی ایک کمرہ باقی ہے۔ اسی طرح رستم کے پیچھے کی جانب جو مشرق کی طرف صحرا کی تصویر بنی ہوئی ہے اور وہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں، کچھ بیٹھے ہوئے ہیں، کچھ رقص کر رہے ہیں۔ تقریباً یہ دو سو قدم کے فاصلے پر ہیں۔ ایک کمرہ جو ۱۰×۱۰ ہو گا، خانہ کعبہ کی طرح کا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آتش کدہ تھا۔ خانہ کعبہ کے دو ستون ہیں لیکن یہ صاف ایک ہی چھت ہے۔ اس کی لمبائی ایک آدمی کے قد کے برابر ہے اور خانہ کعبہ شرقاً غرباً ۱۴ ازرع اور شمالاً جنوباً ۱۶ ہے۔ جاری ندی کے اوپر واقع

تخت جمشید ہے ایک بلند منارہ وہاں نصب تھا۔ ابھی تک دائیں بائیں منارے باقی ہیں۔ تین تہ خانے بھی باقی ہیں۔ یہ منزل ویران ہے۔ وہاں پر کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔

۱۴۷ سیوند۔ یہاں آب جاری ہے۔ ایک خوب صورت اور خام مسجد ہے مگر وہاں کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔

تعلیقات

(۱) دہلی کالج

دہلی کالج کا قیام ۱۹۲۵ء میں عمل میں آیا۔ اس کالج کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ انگریزی اور اردو دونوں کے مضامین پڑھاتا تھا اور ذریعہ تعلیم اردو تھا۔ عربی، فارسی، اور سنسکرت کی تعلیم اردو میں ہوتی تھی۔ انگریزی کا مضمون بھی پڑھایا جاتا تھا۔ اس کالج کا نام اس کے ذہین طلبا کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جن میں شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد، منشی ذکاء اللہ، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر ضیاء الدین اور ماسٹر رام چندر شامل ہیں۔[1]

(۲) جے ایچ ٹیلر

دہلی کالج سے ایچ ٹیلر کا خاص تعلق ہے۔ یہ اس کالج کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ایچ ٹیلر مجلس مقامی کے سیکرٹری اور سپرنٹنڈنٹ مقرر بھی تھے۔ ابتدا میں ان کا تقرر ۱۷۵ روپے ماہانہ پر ہوا، بعد میں ۳۰۰ روپے ہو گئے۔ ان کے ذمے بہت سے دوسرے کام تھے۔ وہ کالج پر بہت کم وقت صرف کر سکتے تھے۔ مسٹر ٹیلر نے کالج میں تیس برس تک ہیڈ ماسٹری کی اور دو تین سال پرنسپل رہے۔ ۱۸۵۷ کے ہنگامے میں یہ قتل کر دیے گئے۔ ان کے قتل کا سب کو رنج ہوا۔ خاص کر ان کے طالب علموں کو بہت صدمہ ہوا۔[2]

(۳) ڈاکٹر لائٹنر۔ Gottlieb Wilhelm Leitner[1]

لائٹنر الملقب بہ مولوی عبد الرشید آفندی ہنگری کے دارالحکومت Pesth میں چودہ اکتوبر ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا۔ وہ یہودی النسل گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جو برسوں پہلے جرمنی سے ہجرت کر کے یہاں آن بسا تھا۔ اس کا باپ شعبہ طب سے تعلق رکھتا تھا۔ ۱۸۴۹ء میں ہنگری میں سیاسی افراتفری پھیلی تو اس کے والدین نے اس ملک کو خیرباد کہہ دیا اور ترکی میں سکونت اختیار کی۔ لائٹنر کی ابتدائی تعلیم یہیں مکمل ہوئی۔ ترکی اور عربی میں اسے جو مہارت حاصل تھی وہ یہاں کے مدرسوں کی دین تھی۔ ۱۸۵۸ء میں انگلستان آ کر برطانوی شہریت حاصل کی۔ کنگز کالج سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور اسی کالج میں عربی، ترکی اور جدید یونانی کا استاد رہا۔ اور تین سال اسی کالج میں اس کا تقرر بطور پروفیسر ہوا۔ ۱۸۶۲ء میں جرمنی کی فرائی برگ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ لائٹنر نے ۲۳

برس ہندوستان میں گزارے۔ اس دوران وہ خرابی صحت کا شکار رہا۔ اس دوران مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی۔ اس کا انتقال بون میں ۱۸۹۹ء میں ہوا۔[۳]

(۴)ڈاکٹر گوہر نوشاہی

ڈاکٹر گوہر نوشاہی موجودہ دور کے محقق، مدون اور دانش ور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی اور تحقیقی کارنامے مختلف موضوعات اور ایک سے زیادہ زبانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بالخصوص اُردو، فارسی اور پنجابی زبانوں میں اُن کا کام قابلِ قدر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک علمی اور روحانی خاندان سے ہے، اس لیے انھیں بچپن ہی سے عربی اور فارسی پڑھنے اور سیکھنے کا موقع ملا۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب کئی سال مشہد یونیورسٹی، ایران سے بہ طور ریسرچ سکالر اور استادِ ادبیاتِ اُردو و پاکستان شناسی وابستہ رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ فارسی میں زیادہ کام نہیں کیا، تاہم ان کے جو مقالات ایران اور پاکستان کے فارسی جرائد میں شائع ہوئے، اُن کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) بوشہر

یہ شہر ایران کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ جنوب مغربی ایران کا ساحلی علاقہ ہے۔ یہ ایران کی سب سے بڑی بندر گاہ ہے۔

(۶) کاروان

سفر کرنے والے اور تاجروں کا گروہ جو یک جہتی کے ساتھ ایک جگہ یا ایک ملک سے دوسرے مقام یا ملک کو جاتا تھا۔ پرانے زمانے میں چونکہ ذرائع آمد و رفت نہ تھے اور راستے پُر خطر ہوتے تھے اس لیے بہت سے لوگ مل کر قافلے کی صورت میں سفر کرتے تھے ان کا ایک سالار کاروان ہوتا تھا جسے میر کارواں بھی کہتے تھے۔ ابتدا میں تو کوئی حکومت ان کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی مگر جب سلطنت میں استحکام پیدا ہوا تو حکمرانوں نے ان کاروانوں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ ان کے راستوں میں کارواں سرائے تعمیر ہوئیں۔[۴]

(۷) شیراز

ایران کے صوبہ فارس کا دار الحکومت جو اصفہان کے جنوب کی طرف ایک کھلے میدان میں واقع ہے۔ اسے حضرت عمر کی خلافت کے اختتام پر ابو موسیٰ الاشعری اور عثمان بن ابی العاصی نے فتح کیا۔ الحجاج کے چچازاد بھائی اور نائب محمد بن القاسم بن محمد بن الحکم بن ابی عقیل ثقفی نے خلیفہ ولید بن عبد الملک کے عہد میں دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کی تعمیر

صوبہ اردشیر خرہ کے ایک قدیم شہر کے کھنڈروں پر ہوئی جس کا دار الحکومت گور(جور) یعنی جدید فیروز آباد تھا۔ کریم خان زند نے شیراز کو اپنا دار الحکومت بنایا۔ اس کے ارد گرد دیواریں اور خندقیں کھدوائیں۔ اس کے بازاروں کی فرش بندی کی گئی اور وہاں خوب صورت عمارتیں بنوائیں، خصوصاً بڑا بازار۔ ۱۸۱۳ء اور ۱۸۲۴ء کے زلزلوں سے یہ شہر ویران ہو گیا۔ شیراز کی شراب، شہد اور چکی پتھروں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس میں نہر رکن آباد ہے جس کا ذکر حافظ نے کیا ہے۔ اس شہر کی تین مسجدیں مشہور ہیں۔ جامع عتیق، نیہ مسجد جو اتابک بن سعد زنگی نے بنائی، مسجد صنقر۔ یہاں بہت سے اولیا کے مزار بھی ہیں جس کی وجہ سے اس شہر کو برج اولیا کہا جاتا ہے۔ خصوصاً احمد بن محمد بن موسیٰ الکاظم اور سعدی و حافظ کے مزار جو شہر کے شمال کی طرف ہیں۔ یہاں دلکشا اور ہفت تن نامی باغ ہیں۔ اس شہر میں چپکی کاری کا کام ہوتا ہے۔ یہ شہر شعرا اثیر المعروف بہ شفیعا، اھلی، بسحٰق (ابو اسحاق حلاج) حافظ، سعدی، عرفی، بابا فغانی، مجد الدین ھمگر اور مذہبی داعی علی محمد باب کا مولد تھا۔[۵]

(۸) خواجہ حافظ

(۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء-۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) فارسی غزل گو شاعر، نام اور لقب شمس الدین محمد ہے۔ شیراز میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور علم دین اور دیگر متعلقہ علوم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اسی دوران عربی زبان و ادب سے خوب واقفیت حاصل کر لی۔ درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ ایک مدرسے میں تفسیر کے معلم تھے۔ حافظ کو غزل گوئی پر حد درجہ کمال حاصل تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی غزلیات کو دیوان کی صورت میں مرتب کیا اور اس میں قصائد اور دوسری چھوٹی نظموں کا اضافہ کر کے ۷۷۰ھ/۱۳۶۹ء میں اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اس دیوان کے ساتھ ہی حافظ کا نام شیراز کے باہر بھی مشہور ہو گیا چنانچہ ہرمز کے والی توران شاہ نے بڑی فیاضی کے ساتھ حافظ کی قدر دانی کی۔ حافظ کی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ حافظ نے اکثر قصائد میں ان کی مدح کی ہے۔ حافظ کو اپنے وطن سے شدید محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے کبھی شیراز سے باہر جانا گوارا نہ کیا۔ حافظ کی غزل صاف اور سادہ ہے۔ اس میں عریانی نہیں ہے۔ سرور بادہ اور نشاط و طرب کی نغمہ سرائی میں مشرق میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں دنیا کے عظیم ترین شعراء میں شمار کیا جاتا ہے جس کا ثبوت ان کے دیوان کی شرحوں سے ملتا ہے جو کافی تعداد میں ہیں۔ حافظ کو پرانے زمانے میں پر اسرار مقبولیت حاصل ہوئی، لوگ ان کے کلام سے فال نکال کر معاملات میں رہنمائی حاصل کرتے تھے اور انھیں لسان الغیب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[۶]

(۹) شیخ سعدی

ان کا نام شرف الدین اور مصلح لقب اور سعدی تخلص ہے۔ سر گوراو سلی نے اس کی ولادت ۵۸۹ھ بمطابق ۱۳۳۳ء لکھی ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ سالِ مذکور سے برسوں پہلے اتابرک مظفر الدین تکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوا ہے۔ شیخ نے سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا اور شیخ کا باپ عبد اللہ شیرازی سعد کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھا اس لیے اس نے اپنا تخلص سعدی قرار دیا۔ سعدی کی دو کتابیں بے حد مقبول و معروف ہوئیں ان میں گلستان اور بوستان شامل ہیں۔[۷]

(۱۰) کریم خان زند (محمد)

قبیلہ لور کے ایک غیر معروف گھرانے کا فرد جو اٹھارویں صدی عیسویں کے اواخر کا بادشاہ تھا۔ اس نے شاہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔ اپنے آپ کو ہمیشہ وکیل ہی کہا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔ کریم خان نے اپنے ملک کا نظم و نسق بڑی خوب صورتی سے سنبھالا اور تجارت و زراعت کو ترقی دی۔ وہ خود تو تعلیم یافتہ نہیں تھا لیکن اس نے اپنے دربار میں علما اور فضلا کو جمع کیا اور ان کی سر پرستی کی۔ وہ شیراز میں رہتا تھا جس میں اس نے متعدد عمارتیں (مسجدوں ،کاروانسراوں اور حماسوں) بنائیں اور یہ آج بھی موجود ہیں۔ مشہور شاعر سعدی کے مقبرے کی اسی کے حکم سے مرمت کرائی گئی اور حافظ کے مقبرے کو تبریز کے خوبصورت سنگِ مرمر سے مزین کیا گیا اور اس پر اس کی دو غزلیں بھی کندہ کی گئیں۔ اس کا باغ جہاں نما کے نام سے مشہور ہے، اس کا یہ نام فتح علی شاہ نے رکھا۔ باغِ دلکشا بھی اسی کی یادگار ہے۔ کریم خان زند نے ۴۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔[۸]

(۱۱) شرح لمعہ

لمعہ دمشقیہ کے نام سے معروف کتاب کا نام اللمعۃ الدمشقیہ فی الفقہ الامامیہ ہے۔ یہ شیخ محمد بن مکی جزینی عاملی کی تصنیف ہے جو شہید اول کے نام سے معروف ہیں۔ یہ کتاب فقہ امامیہ کا مکمل نصاب ہے۔ یہ فقہی مباحث باون کتابوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس کی مختلف شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ کچھ شرحیں عنوان کے ساتھ ہیں جب کہ کچھ بے نام شرحیں لکھی گئی ہیں۔[۹]

(۱۲) قوانین الاصول

قوانین الاصول میرزا ابو القاسم القمی کی تصنیف ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے اور شیعی مذہب کے فقہی اصولوں پر مشتمل ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

(۱۳) دار الفنون

دار الفنون مرزا تقی خان امیر کبیر، ناصر الدین قاچار کے وزیر اعظم نے تہران میں بنایا تھا ایران کی پوری تاریخ خصوصاً قاچاری عہد میں امیر کبیر کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی درسگاہ تھی جس کے ذریعے ایران جدیدیت کی طرف بڑھا اور ایرانی جدید علوم سے بہتر طور پر آشنا ہوئے۔ اس مدرسے میں صحافت نگاری کا بھی آغاز ہوا۔ دار الفنون سے واقف ہو کر ایران اور ایران سے باہر ایرانی اصلاح پسندوں کے ایک گروہ نے اپنے سیاسی، سماجی نظریات سادہ زبان میں لکھنا شروع کیے۔ تقاضائے وقت کے تحت سائنسی، تکنیکی اور درسی کتابوں کی تالیف بھی اسی مدرسے سے شروع ہوئی۔ اشاعت کی صنعت نے ایران کے لوگوں کے لیے مختلف ادبی آثار و افکار سے آشنائی ممکن بنائی۔[۱۰]

(۱۴) اصفہان

ایران کا ایک شہر اصفہان حسین مسجدوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ ایک زمانے میں خاندان صفویہ کا دار الحکومت تھا۔ اسے بابل کے حکمرانوں نے یہودیوں کو بسانے کے لیے آباد کیا تھا۔ مسلمانوں نے اسے حضرت عمر کے دور میں ۱۹ھ / ۶۴۰ء میں فتح کیا۔ طبری کے نزدیک فتح کا سال ۲۱ھ / ۶۴۲ء ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابو موسیٰ اشعری نے نہاوند کے بعد اصفہان کو فتح کیا۔ ۳۰۱ھ / ۹۱۲ء میں یہ شہر سامانیوں کے قبضے میں آیا۔ ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں غزنیوں کے قلمرو میں شامل ہوا۔ مغلوں کے حملے کے دوران میں شاہ خوارزم سلطان جلال الدین منگو کے زیر کمان اس شہر کی دیواروں تلے ایک بہت بڑی جنگ لڑی گئی۔ بعد میں یہ شہر مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گیا۔ تیمور نے یہاں ستر ہزار شہریوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد کئی حکمرانوں نے یہاں کے باشندوں کا قتل عام جاری رکھا۔ نادر شاہ کے عہد میں جا کر امن ہوا۔ تاریخ میں اس شہر کو پہلی بار کسی حکومت کا مرکزی شہر بننے کا شرف عباس اول کے عہد میں ہوا۔ اس نے اسے ایک خوب صورت شہر بنا دیا۔ اس نے زندہ رود پر تین پل تعمیر کرائے۔ شاہ صفی اول نے اس چاندی کے پترے چڑھوائے۔ بعد کے کئی حکمرانوں نے یہاں خوب صورت عمارتیں تعمیر کرائیں جن میں گھنٹہ

گھر، شاہی محلات، کارواں سرائے، منار، خواجہ عالم، قلعہ تبرک اور مدرسہ نادر شاہ اہم ہیں۔ بیسویں صدی کا اصفہان ایک صنعتی شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔[۱۱]

(۱۵) میر باقر داماد

پورا نام میر محمد باقر استر آبادی تھا۔ اشراق تخلص کرتے تھے۔ عام طور پر داماد کے نام سے مشہور ہیں جو فی الحقیقت ان کے والد شیخ محمد کا عرف تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مشہد میں حاصل کی اور عمر کا بیشتر حصہ اصفہان میں گزارا۔ شاہ عباس کے خاص منظور نظر تھے۔ ان کی زیادہ تصانیف عربی میں ہیں لیکن فارسی شعر بھی کہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبعی نیز فلسفے سے انھیں خاص شغف تھا۔[۱۲]

(۱۶) سلاطین صفویہ

ساڑھے آٹھ سو سال کے بعد ایران کو از سر نو ایک قوم بنانے کا سہرا صفویہ کے سر ہے۔ شاہ اسماعیل بانی خاندانِ صفویہ ایرانیوں کا حامی و معین تھا۔ اس خان دان کا یہ نام ایک مشہور بزرگ صفی الدین کے نام سے پڑا۔ جس کا وصال ۱۳۲۴ء میں گیلان میں ہوا۔ یہ بزرگ اپنے کو حضرت امام موسیٰ کاظم، ساتویں امام کی بیسویں پشت میں بتاتے ہیں۔ صفوۃ الصفا کے نام سے ان کی ضخیم سوانح عمری مرتب کی گئی۔ سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں خاندان صفویہ کی بنا ڈالی۔ شاہ اسماعیل شیخ صفی کی اولاد سے تھا۔[۱۳]

(۱۷) ملا محمد باقر مجلسی

ملا محمد تقی مجلسی کے فرزند تھے۔ یہ اپنے والد سے بھی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی مشہور ترین تصنیف بحار الانوار ہے جو شیعہ احادیث کا ایک زبردست مجموعہ ہے۔ فارسی زبان میں عین الحیات مشکوۃ الانوار حلیۃ المتقین حیات القلوب تحفۃ الزائرین جلاء العیون وغیرہ ہیں۔ ان کی وفات ۱۱۱۱ھ بمطابق ۱۷۰۰،۱۶۹۹ء میں ہوئی۔[۱۴]

(۱۸) کاشان

عرب مصنفین کے یہاں قاشان۔ عراق عجمی کا ایک شہر جو اصفہان سے تین روز کی مسافت اور قم سے بارہ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے اسے از سر نو تعمیر کیا تھا۔[۱۵]

(۱۹) قم

ایران کا ایک قصبہ جو عراق عجم میں ایک ندی کے کنارے واقع ہے۔ الاصطخری کے زمانے میں اس کی چار دیواری تھی۔ پانی کنووں سے فراہم ہوتا تھا۔ اور بڑے وسیع اور مستحکم حوض بنے ہوئے تھے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ شیعہ رہے ہیں اور یہ قصبہ شیعیان علی کا بہت بڑا مرکز ہے بقول احمد الرازی یہاں متعدد اولیا اور متقی بزرگوں کے مزار ہیں جن میں امام موسیٰ الکاظمی کی دختر اور امام ثامن علی الرضا کی ہمشیرہ فاطمہ کا روضہ شامل ہے۔ بعد کے صفوی بادشاہ بھی یہیں موجود ہیں۔[۱۶]

(۲۰) ابن بابویہ

ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ القمی الصدوق۔ چار شیعی جامعین میں سے ایک آپ ہیں۔ ۳۵۵ھ، ۹۶۶ء میں اپنے عنفوان شباب شباب میں وہ خراسان سے بغداد گئے اور وہاں کے بہت سے علما ان کے شاگرد بن گئے ان کی وفات رے میں ۳۸۱ھ، ۹۹۱ء میں ہوئی۔ ان کی کتابوں میں مندرجہ ذیل ہیں۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ حدیث سے متعلق ایک مجموعہ جو شیعہ حدیث کی چار کتابوں موسومہ الکتب الاربعۃ میں شمار ہوتی ہے۔[۱۷]

(۲۱) قزوین

قزوین تہران کے قریب ایک قدیم شہر ہے۔ یہ شہر تہران سے رشط، بغداد، اور تبریز جانے والی سڑکوں پر واقع ہے۔ تیسری صدی میں یہ شہر شاہ پور شاہِ ایران نے تیسری صدی میں آباد کیا۔ ۱۶۶۴ء میں اس پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔ شاہ طہماسپ نے ہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۸ء تک یہ دارالحکومت رہا۔ مشہور اور معروف محدث ابن ماجہ یہیں پیدا ہوئے۔ قزوین ایک مردم خیز شہر رہ چکا ہے جہاں نامور اور ممتاز ہستیاں پیدا ہوئیں جو اس کی وجہ شہرت ہیں۔[۱۸]

(۲۲) جامع لغات فارسی

جامع لغات فارسی کو ترتیب دینا آزاد کا مقصد تھا لیکن یہ کتاب ان کی زندگی میں منظر عام پر نہ آ سکی۔ آغا محمد طاہر نے سیر ایران کا دیباچہ لکھتے ہوئے جامع لغات پر یہ حاشیہ لکھا ہے کہ آزاد کے مسودوں میں سے اس کا مسودہ انھیں مل گیا ہے اور جلد ہی شائع ہو جائے گا۔ لغت آزاد کے نام سے ایک لغت چھپی۔ اس کا سنہ تالیف ۱۸۸۷ء ہے۔ آغا محمد طاہر

نے اسے ۱۹۲۴ء میں شائع کیا۔ اس کا طبع جدید مع تصحیح و اضافہ از ڈاکٹر معین نظامی پنجاب یونی روسٹی سے ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آیا ہے۔ یہ فارسی کی جامع لغت تو نہیں ہے لیکن اس حوالے سے ہی آزاد کی ایک کوشش ہے۔

(۲۳) رضا قلی خان

رضا قلی خان ہدایت طبرستانی کا تعلق درس و تدریس سے تھا۔ کئی سال تک تہران کے مدرسہ دارالفنون میں پرنسپل رہے۔ ریاض العارفین، مجمع الفصحا، اور فرہنگ انجمن آرائے ان کی تصانیف ہیں۔ ریاض العارفین صوفی شعرا کا تذکرہ ہے جس میں نمونہ کلام بھی ملتا ہے۔ مجمع لفصحا دو جلدوں میں ہے اور سات سو سے زائد شعرا کا تذکرہ ہے۔ انجمن آرائے ناصری اپنے عہد کا اہم لغت ہے۔ اس لغت میں فارسی کے مشکل الفاظ کے معانی فارسی میں ہی لکھے گئے ہیں۔ توضیح کی خاطر، فارسی ضرب الامثال اور اشعار سے مثالیں فراہم کی گئی ہیں۔ ہدایت ناصر الدین شاہ کی طرف سے خوارزم اور نواحی علاقوں کے ایک سیاسی سفر پر مامور ہوا تھا۔ اس سفر کی کیفیت اس کے دلچسپ سفر نامہ خوارزم میں دیکھی جا سکتی ہے۔[۱۹]

(۲۴) ناسخ التواریخ

مصنف مرزا تقی سپہر ہیں۔ تاریخ عالم ہے۔ محمد شاہ اور ناصر الدین شاہ کے عہد میں مکمل ہوئی تاریخ اسلام اور تاریخ ایران کے حصے نسبتاً مفصل ہیں۔ کتاب کی عبارت سادہ ہیں۔ پوری کتاب کی پندرہ جلدیں ہیں۔ ناصر الدین کے منشی دربار۔ عباس قلی خان سپہر نے کتاب کے بعض حصے مکمل کیے ہیں۔[۲۰]

(۲۵) فروغی بسطامی

میرزا عباس فروغی (فروغ الدولہ) غزل کے صاحب دل شاعر تھے جوانی بسطام (نواح مشہد) میں بسر کی۔ کچھ عرصہ مازندران رہے اور اس کے بعد تہران گئے۔ کچھ عرصہ فتح علی شاہ کی مدح کی۔ پھر دربار سے قطع تعلق کر کے زہد و تصوف کا انتخاب کیا۔ ناصر الدین شاہ اور احمد شاہ کے عہد میں ان کے عرفان و تزکیہ کا کافی شہرہ تھا۔ فروغی سعدی، رومی اور حافظ کے پیرو تھے۔[۲۱]

(۲۶) مرزا یغما

مرزا ابوالحسن جندقی خاص طور پر اپنی غزلیات کے لیے مشہور ہیں۔ انہوں نے ہجو، سنجیدہ اشعار اور فارسی نثر میں لاجواب خطوط لکھے۔ ان کی ضخیم کلیات ہے۔ ان کی شہرت ان کی ہزلوں کی وجہ سے ہے۔[۲۲]

(۲۷) دامغان

تہران اور مشہد کو ملانے والی شاہراہ اعظم پر ایک شہر جو تہران سے تقریباً تین سو چوالیس کلو میٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہ تہران اور مشہد کے درمیان ریل کا اسٹیشن بھی ہے یہاں مسلمانوں کے عہد کی قدیم ترین عمارت تاری خانہ ہے۔ جن کی تعمیر کی تاریخ تیسری صدی ہجری۔ نویں صدی عیسوین بتائی جاتی ہے۔ قیاس ہے کہ ایران کی باقی رہ جانے والی قدیم ترین مسجد یہی ہو۔ سلجوقی عہد کے چند مقبروں کے گنبد بھی موجود ہیں۔ ان میں امام زادہ جعفر جامع مسجد کے مینار پر تاریخ ۵۰۰ھ۔ ۱۱۰۶ء مرقوم ہے۔[۲۳]

(۲۸) شاہرود

دو دریاؤں کا نام جو دریائے قزل اوزن (سفید رود کے نظام سے وابستہ ہیں یہ دوسرا نام جس کا اطلاق قرون وسطیٰ میں پورے قزل اوزن پر ہوتا تھا اب صرف اس کے زیریں حصہ کے لیے یعنی منجیل سے بحیرہ حزر تک بولا جاتا ہے۔ دونوں شاہ رودوں میں زیادہ اہم وہ ہے جو منجیل کے مقام پر اصل دریا سے جا ملتا ہے یہ شاہ رود البرز کے کوہستانوں سے نکلتا ہے۔ شاہ رود قزوین کے ضلع دور بار میں دو دریائی نظاموں کے باہمی اتصال سے بنتا ہے۔[۲۴]

(۲۹) بسطام

بسطام خراسان کا ایک شہر جس کی آبادی ۱۹۵۰ء کی مردم شماری کے مطابق ۴ ہزار کے قریب ہے اور جو ضلع (سہرستان) شاہ رود کے قلع نو کے بخش میں واقع ہے۔ شاہ رود سے ۶ کلو میٹر جانب شمال البرز کے پہاڑوں میں واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس کی بنیاد بسطام نام حاکم خراسان نے اپنے بھتیجے خسرو دوم کے عہد حکومت میں رکھی۔ یاقوت اس شہر کو شاہ پور دوم سے منسوب کرتا ہے۔ عربوں کے دور فتوحات میں سوید بن مقرن نے جرجان پر حملہ کرنے سے پہلے اس شہر پر قبضہ کر لیا لیکن تاریخ فتح غیر یقینی ہے (طبری)۔ عباسی خلافت میں بسطام صوبہ قومس میں صوبائی صدر مقام دامغان کے بعد دوسرا بڑا شہر تھا۔ حضرت بایزید بسطامی کا مدفن ہونے کے علاوہ اس شہر سے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔ آج کل حضرت بایزید کے مقبرے اور خانقاہ کے علاوہ یہاں چھٹی صدی ہجری کے قلعے کے کھنڈر اور ایک امام زادے محمد کے آثار بھی ملتے ہیں۔[۲۵]

(۳۰) ہارون رشید، عباسی

(۷۶۶۔۸۰۹ھ) چوتھا عباسی خلیفہ ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک سال حج کرتا اور دوسرے سال جہاد۔ عباسیوں میں سب سے بڑا صاحب السلطنت، صاحب ذوق، صاحب علم شخصیت۔ مختلف علوم وفنون کی نادر ونایاب تصانیف کے ترجے کرائے اور نئی تحریروں پر بھی توجہ دی۔ شافعی، امام مالک، امام موسیٰ کاظم اور اما محمد، اما یوسف قاضی اس دور کے ماہر فقہ تھے۔ شیر دل سپاہی، زندہ دل شخصیت، زاہد، شب بیدار اور صحیح مدبر، عوام کو امن وسکون میسر تھا۔ ابتدائی چند عرصے میں اندرونی بغاوتوں نے سر اٹھایا جو کچل دی گئیں۔ سنہری دور کا مالک ہارون الرشید بروز شنبہ چار جمادی الثانی ۱۹۳ھ فوت ہو گیا۔[۲۶]

(۳۱) نادر شاہ افشار: شاہ ایران

(۱۱۴۷ھ۔۱۱۶۰ھ /۱۷۳۶ء۔۱۷۴۷ء)۔ نادر بن امام قلی بن نذر قلی۔ افشاروں کے ترکمان قبیلے قرقلو خیل میں سے تھا جن میں سے کچھ لوگ شمالی خراسان میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ ۱۶۸۸ء میں پیدا ہوا طہماسپ ثانی کی ملازمت میں داخل ہوا تو اس کا نام طہماسپ قلی خان مشہور ہو گیا۔ لیکن تخت نشینی کے بعد اس کا اصلی نام نادر لوٹ آیا۔ اس نے ابتدا میں ہی جنگ وجدل میں بڑا نام پیدا کر لیا۔ خراسان کی لڑائیوں میں نادر نے سپہ سالار فتح علی شاہ قاچار کی جگہ خود لے لی اور مشہد پر قبضہ کر لیا۔ طہماسپ نے نادر سے فرمائش کی کہ وہ ملک کو نجات دلانے کے کام کو مکمل کرے اور اس کے بدلے میں اسے سارے خراسان اور مازندران، یزد، کرمان اور سیستان کا والی مقرر کیا گیا۔ طہماسپ نے اپنی بہن گوہر شاد بیگم کی شادی اس سے کرائی۔ نادر نے افغانوں، ترکوں اور ہندوستان کی مہمیں سر کیں۔ دہلی میں نادر نے قتل عام کیا۔ نادر نے بہت جنگیں کیں۔ داغستان اور ترکوں سے لڑائی کے بعد جب کرمان واپس آیا تو ہر جگہ انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنواتا چلا گیا۔ آخر کار ۲۰ جون ۱۷۴۷ء کی شام قاچار اور افشار قبائل کے سرداروں نے اس کے پہرہ داروں سے سازش کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ نادر شاہ نے جو خزانے جمع کیے وہ خس وخاشاک کی طرح اڑ گئے۔ ملک انتہائی بدحالی اور سخت بحران میں چلا گیا لیکن اگر نادر شاہ نہ ہوتا تو شاید ایران کا نام ونشان اس کی موجودہ حدود مملکت میں بھی قائم نہ رہتا۔[۲۷]

(۳۲) شیخ بہاء الدین عاملی

بہاء الدین عاملی وفات ۱۰۳۰ مطابق ۱۶۲۰۔۲۱ء۔ یہ شیخ بہائی کے نام سے معروف ہیں ان کی حیثت زیادہ تر مذہبی عالم کی ہے۔ فلسفہ اور ریاضی میں بھی مشہور ہیں۔ دو مثنویوں نان وحلوا اور شیر وشکر کے مصنف ہیں۔ ان کی مشہور ترین

تصنیف کشکول ہے جو کہ عربی میں ہے لیکن اس میں کثرت سے فارسی اشعار ہیں۔ ان کے شاگردوں میں ملا مجلسی تقی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔[۲۸]

(۳۳) شیخ حر عاملی

(۱۰۳۳ھ/۱۶۶۵ء۔ ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء۔ ۱۷۰۹ء)۔ ایک شیعہ عالم، محمد بن الحسن بن علی بن حسین، عالی لقب تھے۔ جبل عامل کے علاقے شغر میں پیدا ہوئے۔ شغر میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر شیخ حسین طاہر اور زین الدین سے جبع میں علم حاصل کیا۔ جبل عامل میں چالیس سال رہا۔ دوبار حج بیت اللہ کیا۔ دوسری بار حج کے سفر میں اصفہان سے گزرے جہاں محمد باقر مجلسی نے ان کا استقبال کیا اور عمر کا آخری حصہ مشہد میں امام علی رضا کے روضہ مبارک میں شیخ الاسلام کی حیثیت سے گزارا۔ شیخ محمد نے مشہد ہی میں وفات پائی اور مرزا جعفر کے مدرسے سے متصل دفن ہوئے۔ ان میں حد درجہ سادگی تھی یہی وجہ ہے کہ جب شاہ سلیمان نے انھیں دیکھا تو وہ حیران رہ گیا کیونکہ ان میں شیخ والی عادات نہ تھیں۔ ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ تفصیل وسائل الشیعہ الہ احکام الشریعہ ہے جو احادیث کا وسیع مجموعہ ہے۔ ان کے مخالف بھی اس مجموعے کی وسعت اور فضیلت کو تسلیم کرتے ہیں۔ علم حدیث میں ان کی دوسری تصنیف جواہر السنۃ فی الاحادیث القدسیہ ہے جو احادیث قدسی کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے اپنی تیسری تصنیف اثنا عشر فی رد الصوفیہ میں تصوف سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ ان کی ایک اور مشہور تصنیف رسائل امل الامل فی علماجبل عامل ہے جو انھوں نے اپنے وطن کے علما کے بارے میں لکھی۔[۲۹]

(۳۴) شیخ طبرسی

ابو علی افضل ابن الحسن الطبرسی شیخ شبرسی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ مجموعہ البیان فی التفسیر القرآن ہے۔ یہ تفسیر طبرسی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شیعہ اثنا عشری فرقے کی بلند پایہ تفسیر ہے۔ ابتدائی دور کی بڑی تفسیروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، اہل تشیع کی نظر میں اس کا وہی مقام ہے جو اہل سنت کے ہاں تفسیر طبری کا۔ اگرچہ یہ شیعی تفسیر ہے مگر نہایت معتدل ہے اس میں حضرت ابو بکر و عمر کی روایات بھی بیان کی گئی ہیں۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے فقہی احکام بھی درج ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اچھی تفسیر ہے۔[۳۰]

(۳۵) فردوسی

حسن بن اسحاق بن شرف نام اور فردوسی تخلص تھا۔ چہار مقالہ میں ہے کہ طبرستان کی نواحی میں باژ نامی ایک گاؤں تھا، فردوسی یہیں کا رہنے والا تھا۔ دیباچہ شاہنامہ میں گاؤں کا نام شاداب لکھا ہے بہر حال اس قدر عموماً مسلم ہے کہ فردوسی کا وطن طوس کے اضلاع میں تھا اور یہ وہی مردم خیز صوبہ ہے جس کی خاک نے امام غزالی اور محقق طوسی پیدا کیے۔ فردوسی کا سنہ ولادت معلوم نہیں لیکن سنہ وفات ۴۱۱ھ درج ہے۔ دقیقی نے جو تاریخ عجم لکھنا شروع کی تھی اس کو فردوسی نے آگے بڑھایا اور شاہنامہ لکھا۔ شاہنامے کے سبب تصنیف کے زمرے میں علامہ شبلی نعمانی نے بہت سی روایات شعر العجم میں تفصیل سے بیان کی ہیں کتاب شاہنامہ کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا خود فردوسی نے اپنے شوق سے کی۔ بعد میں غزنین کے بادشاہ سلطان محمود نے اس کی سرپرستی کی۔ شاہنامے کی تصنیف میں ۳۵ سال صرف ہوئے۔ تب جا کر یہ مایہ ناز تاریخ عجم وجود میں آئی۔[۳۱]

(۳۶) اسدی طوسی

اسدی کا نام علی بن احمد اور کنیت ابو نصر ہے۔ سلسلہ نسب شاہانِ عجم سے ملتا ہے۔ تحصیل علوم کے بعد عراق کا سفر کیا اور دیلمیوں کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ عراق سے آذربائیجان آیا۔ یہاں کا رئیس ابو دلف کرکری تھان۔ اس کا وزیر نہایت قدر دان علم و فن تھا۔ اس سے اسدی سے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ لکھ کر عجم کو زندہ کیا تم اسی کے ہم وطن ہو تم بھی کچھ یادگار چھوڑو۔ اسدی نے گرشاسپ نامہ لکھ کر ہم فنی کا حق ادا کیا ہے۔ اسدی سب سے پہلا شخص ہے جس نے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی۔[۳۲]

(۳۷) بندر عباس

ایک ایرانی بندرگاہ جو آٹھویں استان میں جو فارس اور کرمان کا ایک حصہ ہے واقع ہے۔ شہر سرزمین ایران کے ساحل پر جزیرہ ھرمز سے ۱۶ کلو میٹر شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ خلیج فارس کے عین دہانے پر اس کے محل وقوع کے علاوہ اس چیز نے اس کی تجارتی اور جنگی اہمیت بڑھا دی ہے کہ یہ شمال میں ہزدومان کی طرف اور شمال مغرب میں لار، شیراز اور اصفہان جانے والے تجارتی راستوں کا نقطہ اختتام ہے۔ یہاں سمندر کے پایاب ہونے باعث بڑے بڑے جہاز گوری پر نہیں لگ سکتے اس لیے انھیں کنارے سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہونا پڑتا ہے اور اپنا اسباب ہلکی کشتیوں کے ذریعے لادنا یا اتارنا پڑتا ہے۔[۳۳]

(۳۸) امام فخر الدین رازی

ابو عبید اللہ محمد بن عمر بن الحسین اسلام کے مشہور ترین علمائے دین و مفسرین میں سے ایک ہیں ۵۴۳ھ بمطابق ۱۱۴۹ء مقام رے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ضیاء الدین ابو القاسم اپنے شہر کے خطیب تھے اس لیے بیٹے کا لقب ابن الخطیب ہو گیا۔ فخر الدین کے اساتذہ میں ان کے والد کے علاوہ ان کے استاد فلسفہ مجد الدین الجیلی اور استاد فقہ الکمال السمنانی بھی شامل ہیں۔ انھوں نے بو علی سینا کی کلیات کی شرح لکھی۔ ھرات میں وہ شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے۔[۳۴]

(۳۹) ملا حسین کاشفی

ایک بسیار نویس مصنف جسے ہرات میں سلطان حسین مرزا کے عہد میں بڑا عروج نصیب ہوا۔ اس نے ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔ اس کی مشہور تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔ اخلاق محسنی ابو المحسن کے نام منتسب کی گئی اور ۹۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ نصر اللہ بن محمد بن حمید نے قبل ازیں کلیلہ و دمنہ کا فارسی ترجمہ کیا تھا، کاشفی نے اس کا جدید فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس نے نظام الدین شیخ احمد السہیلی کے کہنے پر اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی تصنیفات یہ ہیں۔ جواھر التفسیر لتحفۃ الامیر فارسی میں قران مجید کی تفسیر ۸۹۹ھ میں علی شیر کی درخواست پر لکھی گئی لیکن وہ اپنی مجوزہ چار جلدوں میں سے صرف ایک مکمل کر سکا کیوں کہ اسے اپنے سرپرست کے لیے ایک مختصر تفسیر لکھنے کی خاطر اس سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔ اس مختصر تفسیر کا نام مواھب علیہ رکھا گیا لیکن عام طور سے یہ تفسیر حسینی کے نام سے مشہور ہے۔[۳۵]

(۴۰) قندھار

افغانستان کا ایک شہر جو ۳۱ درجے ۲۷ دقیقے عرج بلد شمالی اور ۶۵ درجے ۴۳ دقیقے طول بلد مشرق اور ۳۴۵۲ فٹ کی بلندی پر دریائے ترنک اور دریائے ارغنتب کے درمیان میں واقع ہے اور تجارت اور حکومت کا مرکز ہے۔[۳۶]

(۴۱) کوئٹہ

بلوچستان کا سب سے بڑا شہر اور صوبائی دارالحکومت ہے۔ یہ پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کے کنارے جنوب مغربی بلوچستان میں واقع ہے۔ کوئٹہ ان دو ممالک کے درمیان تجارتی مرکز بھی ہے۔

(۴۲)تباہی دہلی

یہاں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کا تذکرہ ہے جب دہلی پر انگریزوں نے قبضہ کر کے دہلی میں لوٹ مار کی اور خون کی ندیاں بہا دیں۔ مسلمانوں کو جنگ آزادی کی سزا کے طور پر سب سے زیادہ تنگ کیا گیا۔ دہلی جیسے خوب صورت شہر اور اس کی شان وشوکت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

(۴۳)صاحب

یہاں آزاد کی مراد ڈاکٹر لائٹنر ہے جنھوں نے ایران جانے کے لیے آزاد کی رخصتگی درخواست نامنظور کر دی۔ آزاد نے ۱۲ جولائی کو یہ درخواست دی لیکن لائٹنر جو اس وقت پنجاب یونی ورسٹی کے رجسٹرار تھے، انھوں نے آزاد سے اپنی ناراضگی کے سبب سے اسے رد کر دیا جس پر آزاد نے انھیں ماہیان شبگوں کے شکاری قرار دیا۔[۳۷]

(۴۴) ناصرالدین شاہ

(۱۸۴۸ء۔۱۸۹۶ء) ناصرالدین شاہ اپنی تخت نشینی کے وقت صرف ۱۷سال کا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں اس کے جوبلی جشن پر مرزا رضا کرمانی نے اسے شاہ عبدالعظیم کی درگاہ میں گولی سے ہلاک کر دیا۔[۳۸]

(۴۵)سید نعمت اللہ جزائری۔

۱۰۵ھ بمطابق ۱۶۴۰۔۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ شیراز میں مدرسہ منصوریہ میں فروکش ہوئے کافیہ کی شرح اور ایک اور شرح مفتاح اللبیب کے عنوان سے شیخ بہاء الدین محمد کی تہذیب پر لکھی۔ سید نعمت اللہ شیراز میں نوسال رہے۔ انھوں نے یہ عرصہ عسرت میں بسر کیا۔ ان کی اپنی سوانح عمری کی تالیف کے وقت ان کی عمر ۳۹سال تھی۔[۳۹]

(۴۶) تفسیر بیضاوی

انوار التنزیل واسرار التاویل ﷺ اضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی (و ۶۸۰ھ) اور بقول بعض ۶۸۲ھ کی تصنیف ہے۔ یہ چار اہم تفاسیر طبری، رازی، کشاف، بیضاوی وغیرہ میں سے ایک ہے۔ یہ ایک عظیم الشان تفسیر ہے۔ مختلف بہترین تصانیف کا تفاسیر کا نچوڑ ہے یعنی اس میں اعراب اور معانی وبیان سے متعلق مباحث دراصل اسکی خوبی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ حکمت وکلام سے متعلق مواد تفسیر کبیر رازی سے ماخوذ ہیں۔ اشتقاق اور دقیق حقائق اور لطیف اشارات و نکات تفسیر راغب اصفہانی سے موخوذ ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ قااضی بیضاوی نے اس میں معقول دلائل اور مقبول تصرفات رکھنے والے امور بھی ثبت کیے ہیں جو ان کی فکر و بصیرت کے ثمرات و

نتائج ہیں۔ درس نظامی میں عرصہ دراز سے درجہ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفسیر کشاف کے بعد سب سے زیادہ حواشی اس تفسیر کے لکھے گئے جو کم و بیش چوالیس ہیں۔ مصنف نے لغوی تحقیق اور قرات کے بیان کے بعد ان شبہات کا ازالہ کیا ہے جو اہل سنت کے خلاف معتزلہ اور دوسرے عقلیت پرستوں نے کیے تھے۔ مصنف نے ہر سورت کے آخر میں فضائل سورت کے بارے میں احادیث بیان کی ہیں اگرچہ اس میں ضعیف اور قوی کا فرق روا نہیں رکھا گیا۔[۴۰]

(۴۷) سبزوار

خراسان کا ایک شہر جو نیشاپور سے ٹھیک مغرب میں ۶۴ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایران کے دور شجاعت کی بہت سی داستانیں سبزوار سے منسلک ہیں۔ شہر کے وسط میں ایک چوک مدتوں رستم و سہراب کی کشتی کا مقام بتایا جاتا ہے جو میدان دیو سفید کے نام سے مشہور تھا۔[۴۱]

(۴۸) فتح علی شاہ

قاچار خاندان کا ایک ایرانی بادشاہ جو ۱۱۸۵ھ، ۱۷۷۱ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۹۷ء میں اپنے چچا آقا محمد شاہ کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اسے صاحبقران کا لقب ملا۔[۴۲]

(۴۹) حضرت امام حسن علیہ السلام

(رمضان المبارک ۳ھ / ۶۲۴ء۔ ۴۹ یا ۵۰ھ / ۶۶۹ء یا ۶۷۰ء) صحابی اور آنحضور ﷺ کے نواسے، ابو محمد کنیت، سید اور ریحانۃ النبی خطاب، شبیہ الرسول لقب۔ والد کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب اور والدہ کی طرف سے فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب۔ آپ مدینے میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ سے غیر معمولی محبت تھی۔ آٹھ سال کے تھے کہ آنحضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں سب سے پہلے طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی شامل رہے۔ حضرت علی کی وفات کے بعد اس علاقے کے سوا جس پر حضرت امیر معاویہ کا قبضہ تھا، باقی سارے ملک کی نظریں حضرت حسن پر لگی ہوئی تھیں۔ مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ میں قدیم اختلاف چلا آرہا تھا۔ حضرت علی کی وفات کے بعد امیر معاویہ نے فوراً فوجی پیش قدمی شروع کر دی۔ امام حسن نے لڑائی اور فتنہ سے بچنے کے لیے امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ دستبرداری کے بعد آپ

خاموشی سے مدینہ میں رہے۔ آپ کی مدت خلافت بعض کے نزدیک پانچ ماہ، بعض کے نزدیک چھ ماہ ہے۔ آپ نے ۴۷یا۴۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت فاطمہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی ذات باطنی اور معنوی لحاظ سے اسوہ حسنہ کا نمونہ تھی۔[۴۳]

(۵۰) شیخ فرید الدین عطار

ولادت شعبان ۵۳۱ھ۔ وفات ۶۲۷ھ۔ ان کا اصل نام محمد تھا۔ فرید الدین لقب ہے۔ نیشاپور کے اضلاع میں کدگم گاؤں ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ابراہیم بن اسحاق عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ ص ۷۔

خواجہ صاحب کو تصوف سے لگاؤ تھا۔ ان کی تصانیف یہ ہیں۔ اسرار نامہ۔ الٰہی نامہ مصیبت نامہ۔ وصیت نامہ۔ منطق الطیر حیدر نامہ۔ گل دہرمز۔ سیاہ نامہ۔ شتر نامہ۔ مختار نامہ۔ ان کے علاوہ غزلوں اور رباعیوں کا دیوان ہے۔ فقرا کا تذکرہ "تذکرۃ الاولیاء" لکھا جو بہت مشہور ہوا۔[۴۴]

(۵۱) امام زادہ قاسم

قاسم بن حسن بن علی، حضرت حسن کے بیٹے جو واقعہ کربلا میں اپنے چچا حضرت حسین کے لشکر میں تھے اور دوران جنگ عمرو بن سعد بن مقبل اسدی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ روایات کے مطابق شہادت کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔[۴۵]

(۵۲) سید حسین

نام و نسب: حسین رضی اللہ عنہ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کنیت ابو عبد اللہ، لقب سید شباب اہل الجنۃ اور ریحانۃ النبی، والدہ سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا۔

شجرہ طیبہ: حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قریشی، ہاشمی، مطلبی۔

پیدائش: ابھی آپ مادر شکم میں تھے کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود میں رکھ دیا ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک ناگوار خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا دیکھا ہے؟ عرض کیا ناقابل بیان ہے۔ آپ نے فرمایا بیان کرو آخر کیا ہے؟ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے اصرار پر انہوں نے خواب بیان کیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لڑکا پیدا ہو گا اور تم اس کو گود میں لو گی۔

کچھ دنوں کے بعد اس خواب کی تعبیر ملی۔ اس ریاض نبوی میں وہ حق و صداقت کا پیکر ۵ شعبان سنہ ۴ ھجری میں خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو پیدا ہوا۔ ولادت باسعادت کی خبر سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمانے لگے بچے کو دکھاؤ اور نومولود بچہ کو جگا کر اس کے کانوں میں اذان دی۔ اس طرح گویا پہلی مرتبہ لسان وحی و الہام نے اس بچے کے کانوں میں توحید الٰہی کا پیغام پہنچایا۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الحسن والحسین سید اشباب اہل الجنۃ" یعنی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ایک مرتبہ آقا صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان الحسن والحسین ہماریحانی من الدنیا" یعنی بے شک حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں میرے دنیا میں پھول ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے آپ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الٰہی ان دونوں پر رحم فرما کہ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔"

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا اظہار فرماتے تھے اور اپنی امت کو فرمایا کہ میرے اہل بیت سے محبت رکھو۔ جس شخصیت کا مقام اعلیٰ ہے اور لسان مصطفی صلّی اللہ علیہ وسلم اس کی محبت کا دعویٰ کر رہا ہے وہاں عقل کو کیا مجال ہے کہ چوں وچرا کہہ سکے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتادی تھی، اور ان کا مقام بھی بتادیا تھا اور سن ھجری بھی بتادیا تھا۔

بالآخر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ۱۰ محرم الحرام بروز جمع بعد زوال سن ۶۱ ھجری میں ۵۸ برس کی عمر میں مقام کربلا میں شہید کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مرقد مبارک پر ہزار ہار حمتیں نازل فرمائے۔[۴۶]

(۵۴) تربت شیخ جام

ایران کے شمال مشرق (ولایت خراسان) میں ایک مقام کا نام ہے جو افغانستان کی سرحد سے زیادہ دور نہیں۔ اس کا محل وقوع تقریباً ۶۱ درجے طول البلد مشرق اور ۳۵ درجے عرض البلد شمال ہے، اس سڑک پر جو مشہد سے ہرات کی طرف جاتی ہے۔ یہ ایک پڑاؤ ہے۔ گاؤں کے مشرق میں حضرت شیخ جام یعنی شیخ الاسلام احمد جام نامقی کا مقبرہ ہے جن کے نام سے یہ جگہ آباد ہے۔ تربت جام ان دنوں بخش تربت جام کا مرکز ہے اور یہ بخش شہرستان مشہد میں شامل ہے۔ بقول یاقوت بوزجان نیشاپور سے چار روز کی مسافت پر ہے اور ہرات اس سے چھ روز کی راہ پر۔[۴۷]

(۵۴) میر معصوم بھکری

محسنِ سندھ میر سید محمد معصوم یگانۂ دہر اور فخر روزگار ہستی ہیں۔ آپ سیدنا امام موسیٰ الکاظم کی ذریت طیبہ میں سترہویں پشت (۱۷) میں آتے ہیں۔ خاندانی قبرستان کی تزئین و آرائش، والد اور بھائی کی قبر کے کتبے سجا کر محفوظ کیا۔ مختلف عمارتوں اور تعمیرات کی بنیاد رکھی۔ سندھ کی گورنری کے دوران آپ نے رفاہِ عامہ کے لیے بہت سی سرائیں، درسگاہیں، مساجد اور عید گاہیں بنوائیں۔ غربا و مساکین، بیواؤں اور یتیموں کی ہر ممکن اعانت کرتے رہے۔ اسی زمانے میں اکبر بادشاہ نے آپ کو 'امین الملک' کا منصب دیا۔ ضروری ساز و سامان اور تیاری کے بعد ۱۰۱۲ھ / دسمبر ۱۶۰۳ء میں ایران کے لیے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر جلال الدین اکبر نے اپنے مراسلے میں شاہِ فارس کو آپ کے تعارف میں لکھا "سیادت و نقابت آثار، افادت و اضافت دثار، محرم بزمِ جلالت، اساس مخصوص الطاف و اعطاف عنایت اقتباس، امین الملک میر محمد معصوم بکری کہ از اجلۂ ساداتِ ایں بلاد است و بمزید مراتب اخلاص و رواتب اختصاص مخصوص و ممتاز" آپ جس مقصد کے لیے ایران بھیجے گئے اس میں کامیابی ہوئی۔ ایران کے بادشاہ عباس صفوی سے ملاقات اور طرفین میں خطوط و تحائف کا تبادلہ ہوا۔ کامیاب سفارتی دورے کے بعد ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء میں وطن لوٹ آئے۔ شاعر، مؤرخ اور صاحبِ قلم و قرطاس ہونے کے باعث ایران کی ادبی دنیا نے خوب پذیرائی کی۔ علمی و ادبی مجالس کا اہتمام کیا گیا۔ آپ سے ملاقات کرنے والے دو دانشوروں تقی کاشی نے ۱۰۱۲ھ میں اپنے تذکرے 'خلاصۃ الاشعار' اور ۱۰۱۳ھ میں تقی اوحدی نے 'عرفات العاشقین' میں آپ سے ملاقات کا احوال درج کرتے آپ کی تعریف کی ہے۔ ایرانی حضرات کے علاوہ آپ کے معاصر دو ہندی دانشوروں خواجہ نظام الدین احمد نے 'طبقات اکبری' اور ملا عبدالقادر بدایونی نے 'منتخب التواریخ' میں آپ کا ذکر شایانِ شان کیا ہے۔

سفارتِ ایران سے واپس ہوتے وقت بکھر سے آگرہ پہنچے۔ چند ماہ بعد شہنشاہ اکبر ۱۴ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ / ۱۷ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو فوت ہوئے اور جہانگیر بادشاہ بنے۔ اس وقت میر معصوم دربار میں موجود تھے۔ رمضان ۱۰۱۴ھ / جنوری ۱۶۰۶ء جہانگیر سے اجازت لے کر بکھر روانہ ہوئے بکھر پہنچنے کے بعد دو ماہ بعد بروز جمعہ ۶ ذی الحج ۱۰۱۴ھ / ۰۴ اپریل ۱۶۰۶ء راہ عدم ہو گئے۔ سفارتِ ایران کے دوران تربتِ جام میں ابونصر شیخ احمد جام ژندہ پیل کی درگاہ پہ حاضری دی اور یہ اشعار کندہ کیے:

مرشدِ نامی شیخ گرامی احمدِ جامی عمر برہ

سال وفاتش گر تو بجوئی احمدِ جامی قدس سره

حرره محمد معصوم بکري نامی ۱۰۱۲ھ۔[۴۸]

حواشی

۱۔ مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج (دہلی: انجمن ترقی اردو)، ۱۹۸۹، ص ۱۷، ۱۶۔

۲۔ مولوی عبدالحق، مرحوم دہلی کالج، ص ۱۵۶۔

۳۔ محمد اکرام چغتائی، "آزاد اور لائٹنر کے علمی روابط"، مشمولہ آزاد صدی مقالات (لاہور۔ پنجاب یونی روسٹی، اورئینٹل کالج)، ۲۰۱۰، ص ۶۹۔

۴۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، نیا ایڈیشن (فیروز سنز لمیٹڈ)، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۵۔

۵۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۱ (لاہور: دانش گاہ پنجاب)، ۱۹۷۵ء۔

۶۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (کراچی: شاہکار بک فاؤنڈیشن)، ۱۹۸۴ء، ص ۴۰۷۔

۷۔ خواجہ الطاف حسین حالی، حیات سعدی، مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (لاہور: مجلس ترقی ادب لاہور) طبع دوم، جون ۱۹۹۵ء، ص ۱۴، ۱۳۔

۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۷ (لاہور: دانش گاہ پنجاب)، ۱۹۷۵ء، ص ۲۶۲۔

۹۔ (کتاب)_الدمشقیہ_اللمعہ ur.wikishia.net\view ۔

۱۰۔ محمد کیومرثی جرتودہ، "آزاد کا سفر ایران: ایک جائزہ"، مشمولہ آزاد صدی مقالات، مرتبین، تحسین فراقی، ناصر عباس نیر (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، اورئینٹل کالج، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۵۳۔

۱۱۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۷۶۔

۱۲۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ترجمہ سید وہاج الدین احمد کنتوری (دہلی: انجمن ترقی اردو ۱۹۳۹ء)، ص ۵۸۷۔

۱۳۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ص ۵، ۴۔

۱۴۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ص ۵۵۹، ۵۵۸۔

۱۵۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۷ (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۶۔

۱۶۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۶۔ ۲ (لاہور: دانش گاہ پنجاب، طبع اول، ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء)، ص ۴۰۴۔

۱۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد اول، طبع اول، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۶۴ء)، ص ۴۲۔

۱۸۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۰۹۰۔

۱۹۔ محمد ریاض، صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۱۲۹۔

۲۰۔ محمد ریاض، صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۱۲۹۔

۲۱۔ محمد ریاض، صدیق شبلی، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۱۲۵۔

۲۲۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ص۴۵۵، ۴۵۴۔

۲۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب جلد، ۹ (خمسہ۔ دھتورا)، طبع اول ۱۳۹۲ھ، ۱۹۷۲ء)، ص ۱۸۰۔

۲۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۱۱، (السر یبن الحکم۔ سیاد حمزہ) ۱۳۹۵ھ۔ ۱۹۷۵ء طبع اول)، ص۶۲۹۔ ۶۳۰۔

۲۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۴، ۱۹۶۹ء)، ص۵۲۷۔

۲۶۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص۱۴۴۷۔

۲۷۔ دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۲۲، ۱۹۸۹ء) ص۱۵۔ ۲۲۔

۲۸۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ص۳۶۴۔

۲۹۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص۷۶۹۔

۳۰۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص۵۱۶۔

۳۱۔ شبلی نعمانی، شعر العجم حصہ اول، (لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۳۲۵ھ)، ص۷۶۔

۳۲۔ علامہ شبلی نعمانی۔ شبلی نعمانی، شعر العجم حصہ اول، ص۱۴۹۔ ۱۵۰۔

۳۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۴، ۱۹۶۹ء)، ص۹۲۲۔ ۹۲۳۔

۳۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۱۵، ۱۹۷۵ء)، ص۱۹۴۔

۳۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۱۷، ۱۹۷۸ء)، ص۳۰۔ ۳۱۔

۳۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۶۔ ۲۔ ص۴۱۲۔

۳۷۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد: حیات اور تصانیف (کراچی: انجمن ترقی اردو)، ۲۰۰۶ء، س۳۰۹۔

۳۸۔ ایڈورڈ براؤن، تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید، ص۲۴۹۔

۳۹۔ تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید۔ ص۴۸۶۔ ۴۹۱

۴۰۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص۵۱۶۔ ۵۱۷

۴۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۱۰، ۱۹۷۳ء)، ص۷۰۲۔ ۷۰۳۔

۴۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، جلد ۱۵، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۶۰۔۱۶۱۔

۴۳۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۷۸۷۔۷۸۸۔

۴۴۔ مولانا شبلی نعمانی۔ شعر العجم، حصہ دوم (اعظم گڑھ: مطبع معارف)، ۱۹۸۸ء۔ ص ۷۔۱۰۔

۴۵۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۲۱۹۔

۴۶۔ علامہ ساجد حسین گھانگھرو طاہری، امام حسین علیہ السلام، الطاہر شمارہ نمبر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ بمطابق فروری ۲۰۰۷ء، ص ۴۳۔

۴۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد ۶۔ ۱۹۶۲۔ ص ۲۰۱۔

۴۸۔ ڈاکٹر سید علی عباس، محسن سندھ میر سید محمد معصوم بکھری، عالمی اخبار، ۱۶ اگست ۲۰۱۷ء۔
https://aalmiakhbar.com/archives/30323

فرہنگ

اختصارات و مخففات

(فرہنگِ آصفیہ	آصفیہ)
(نور اللغات	نور)
(اردو لغت تاریخی اصول پر	اردو لغت)
(لغاتِ کشوری	کشوری)
(فرہنگِ جامع	فرہنگِ جامع)
(جامع اللغات	جامع اللغات)

لغات کے مکمل حوالے کتابیات میں درج ہیں۔

اتالیق	اسم مذکر۔ استاد۔ آصفیہ
اثبات	اسم مذکر۔ ثبوت، تصدیق، دعویٰ جمانا۔ آصفیہ
اجازہ	اجازت کی تخفیف ہے۔ اجازت: اذن، پروانگی، رخصت۔ اردو لغت
اجتہاد	اسم مذکر۔ کسی مذہبی امر میں تاویلات اور ذاتی تحقیقات سے کام لینا۔ آصفیہ
ارزانی	اسم مونث۔ بکثرت، بہتات۔ آصفیہ
ارزاں	صفت۔ سستا، کم قیمت۔ آصفیہ
استفراغ	اسم مذکر۔ قے، الٹی۔ آصفیہ
استقلال	ثابت قدمی، پامردی، ڈٹے رہنا۔ اردو لغت
اشتیاق	اسم مذکر۔ شوق، آرزو، تمنا۔ آصفیہ
اصلا	تابع فعل۔ مطلقاً، ہرگز، بالکل۔ آصفیہ
اعانت	اسم مونث۔ مدد، سہارا۔ آصفیہ

الٰہیات	وہ علم جس میں ذات وصفات باری تعالٰی اور اس کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اردو لغت
امارت	اسم مونث۔ امیری، دولتمندی۔ آصفیہ
امام	مذکر۔ پیشوا، ہادی، رہبر۔ جامع اللغات
انبوہ	اسم مذکر۔ جمگھٹ۔ آصفیہ
انگشتانہ	اسم مذکر۔ منسوب بہ انگشت، ایک پیتل یا لوہے کی خاردار شام نما انگلی کی ٹوپی جسے سیتے وقت سوئی چبھنے سے بچانے کے واسطے اکثر بیچ کی انگلی میں پہن لیتے ہیں۔ آصفیہ
اوضاع	مذکر۔ افعال، کردار۔ نور
اونگھ	اسم مونث۔ غنودگی، نیند کی جھپکی۔ آصفیہ
آبِ آسیا	آسیا: امث۔ آٹا وغیرہ پیسنے کی چکی، آسیائے آب: امث۔ پانی کے زور سے چلنے والی چکی۔ پن چکی۔ اردو لغت
آبداری	چمک، صفائی۔ کشوری
آتش فشاں اژدہے	صفت۔ آگ اور لاوا برسانے والے اژدہے۔ آصفیہ اول۔ مجازاًمراد ریل گاڑی / ٹرین
باج گیر	جو محصول لیوے۔ کشوری
بادی جہاز	بادی جہاز سے مراد ہوا کی طاقت سے چلنے والا جہاز ہے۔ بادبانی جہاز۔
بانات	اسم مونث۔ ایک قسم کا اونی کپڑا جو نہایت گرم اور دبیز ہوتا ہے۔ آصفیہ
بٹا	اسم مذکر۔ وزن تولنے کا چھوٹا بٹ۔ آصفیہ
بٹیوں (بٹی، بٹیا)	پتھر کا گھسا ہوا ٹکڑا جو دریا کے پانی کے ساتھ پہاڑ سے لڑھکتا چلا آتا ہے۔ نور
بدرقہ	حفاظت، رہنمائی، حفاظتی دستہ۔ فرہنگِ جامع
برنجی	صفت۔ پیتل کا، پیتلی۔ کشوری
بقال	اسم مذکر۔ بنیا، غلہ فروش۔ نور

بکری	اسم مونث۔ فروخت، فروختگی۔ آصفیہ
بگیاں	بگی۔ انگلش Buggy اسم مونث۔ دو پہیوں کی گاڑی۔ آصفیہ
بہتات	اسم مونث۔ افراط، کثرت، زیادتی۔ آصفیہ
بلوک	محلہ۔ فرہنگِ جامع
بیڑا اٹھانا	فعل متعدی۔ کسی کام کے کرنے کا ذمہ لینا۔ آصفیہ
پٹا (پٹے ہوئے)	صف، مث۔ (گرد و غبار وغیرہ سے) بھرا ہوا، اٹا ہوا۔ اردو لغت
پرت	اسم مذکر۔ ورق، مجازاً مراد خط۔ نور
پوست برہ	پوست۔ اسم مذکر۔ چمڑا، کھال۔ برہ (ف) اسم مذکر۔ بکری یا بھیڑ وغیرہ کا چھوٹا بچہ، مجازاً بھیڑ یا بکری کی کھال کا بنا ہوا۔ آصفیہ
پھاکنا/پھانکنا	فعل متعدی۔ بہت سا کھانا، جلد جلد کھانا۔ آصفیہ
پیادہ	اسم مذکر۔ پیدل۔ آصفیہ
پیرانہ سالی	بڑھاپے کا زمانہ، ضعیفی۔ اردو لغت
پیش گاہ	اسم مونث۔ سامنے، حضور میں، روبرو، دربار مجلس۔ آصفیہ
پینٹھ	اسم مذکر۔ آٹھویں روز کا بازار جو قصبات میں لگا کرتا ہے۔ آصفیہ
تاغ	املی سے مشابہ فرغہ کی قسم کا ایک درخت جس کی لکڑی دیر تک چلتی ہے۔ فرہنگِ جامع
تربت	اسم مونث۔ قبر، گور، مزار۔ آصفیہ
تردد	اسم مذکر۔ سوچ، تشویش، فکر۔ آصفیہ
ترشح	تھوڑی بارش، ننھی پھوار۔ نور
ترویج	مونث۔ رواج، شہرت۔ آصفیہ
تریاک	سبزی۔ فرہنگِ جامع
تصرف	اسم مذکر۔ قبضہ، مداخلت، اختیار۔ آصفیہ
تعویذ قبر	کوہانِ قبر، لوحِ مزار، وہ پتھر جو قبر کے بیچ چبوترے کے اوپر رکھا جاتا ہے۔۔ آصفیہ
تفویض	اسم مونث۔ سپردگی، تحویل، حوالگی۔ آصفیہ

تنگہ	تنکہ، جانگیہ، آبنائے۔ فرہنگِ جامع
توکل بخدا	اسم مذکر۔ اپنے تیئں خدا کے سپرد کرنا، خدا پر بھروسہ کرنا۔ آصفیہ
تومان	ایرانی کرنسی
ثقہ	اسم مذکر۔ مردِ معتبر، معتمد آدمی۔ آصفیہ
جراحی	اسم مونث۔ زخم کے علاج کرنے کا ڈاکٹری پیشہ۔ آصفیہ
چرخ	(کمہار کا) پہیہ جسے گھما کر مٹی کے برتن بنائے جاتے ہیں، چاک۔ اردو لغت
چغہ	اسم مذکر۔ عبا، جبہ۔ نور
چھکڑا	اسم مذکر۔ چھے بیلوں کی گاڑی، اسباب لادنے کی بڑی گاڑی۔ آصفیہ
چلمیں اتارنا	مٹی کے برتن بنانا۔ اردو لغت
چنگی	اسم مونث۔ شہری محصول جو باہر سے مال آنے پر لگایا جاتا ہے، ٹیکس۔ آصفیہ
حسب الارشاد	تابع فعل۔ حسبِ ارشاد، حسبِ حکم۔ آصفیہ
حواشی	مذکر۔ حاشیہ کی جمع
خانماں	اسم مذکر۔ گھر کا اسباب۔ آصفیہ
خفتان	اسم مونث۔ ایک قسم کا جبہ۔ نور
خلاصی	اسم مذکر۔ جہاز کے کارندے۔ آصفیہ
خلل	اسم مذکر۔ رخنہ، فتور، بگاڑ۔۔ آصفیہ
خلوت	اسم مونث۔ تنہائی، علیحدگی، گوشہ نشینی۔ آصفیہ
خویش	قریب کا، رشتہ دار۔ آصفیہ
خیاباں	راستہ جو باغ کے بیچ میں ہوتا ہے۔ نور
دارالطباعہ	طباعہ۔ چھاپہ خانہ۔ فرہنگِ جامع
دائی	ماموں۔ فرہنگِ جامع
درہ	اسم مذکر۔ گھاٹی، دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ۔ آصفیہ
دستکاری	تزئین کرنا، آراستہ کرنا، ہاتھ کی کاریگری۔ نور

دست گاہ	قدرت، طاقت۔ نور
دلاک	حمام میں مالش کرنے والا، نائی۔ فرہنگِ جامع
دلال	اسم مذکر۔ سودا کرنے والا، بائع اور مشتری میں واسطہ ہو کر خرید و فروخت کرانے والا۔ آصفیہ
دل شکن	دل شکنی۔ اسم مونث۔ دل آزردگی۔ امید کے بر خلاف کرنا۔ آصفیہ
دوخان	دخان یعنی دھواں
دورانِ سر	سر کا چکر۔ فرہنگِ جامع
دہ	گاؤں۔ کشوری
راہوار	آہستہ چلنے والی سواری۔ فرہنگِ جامع
رباط	مونث۔ مسافر خانہ۔ نور
رحلت	کوچ، موت۔ فرہنگِ جامع
رقیب	اسم مذکر۔ حریف، مخالف۔ آصفیہ
رکابی	مونث۔ تھالی، طشتری۔ نور
رودخانہ	اسم مذکر۔ ندی، نالا، نہر۔ آصفیہ
رہنکھا	رہنکا۔ رونے والا منہ۔ اردو لغت
ریزش	اسم مونث۔ ناک سے پانی بہنے کا مرض، نزلہ، زکام۔ آصفیہ
زادِ راہ	اسم مذکر۔ توشہ، خرچ راہ۔ آصفیہ
زائر	زیارت کرنے والا۔ فرہنگِ جامع
سپاٹ	صفت۔ سادہ، یکساں، صاف۔ آصفیہ
سپاس نامہ	اسم مذکر۔ وہ تحریری شکریہ جو کسی حاکم کے رخصت یا تبدیل ہوتے وقت اس کی کارگزاری کے منت پذیر ہونے میں دیتے ہیں۔ آصفیہ
سترگان	سترگ، بڑا بزرگ۔ کشوری
سررشتہ	اسم مذکر۔ دفتر، محکمہ۔ آصفیہ

سر رشتہ دار	افسر اعلیٰ۔ فرہنگِ جامع
سر گرداں	صفت۔ مضطرب، آوارہ، سر گشتہ۔ آصفیہ
سلاطین	مذکر۔ سلطان کی جمع، شہزادے۔ جامع اللغات
سلامت باشید	سلامت۔ بے گزند ہونا، بے عیب ہونا۔ باشیدن (ف) رہنا، بسنا۔ مراد ہے سلامت رہو۔ کشوری
سنگ باسی	اسم مذکر۔ ایک قسم کا پتھر جس کا رنگ زرد سفیدی مائل اور اس کی بڑی سلیں ہوتی ہیں۔ آصفیہ
سونٹھ	اسم مونث۔ سوکھی ادرک، زنجبیل۔ آصفیہ
سہ چند	تگنا، تین گنا۔ نور
شب خون	اسم مذکر۔ رات کا حملہ، رات کے وقت بے خبر دشمن پر دھاوا۔ آصفیہ
شبگوں	صف۔ رات کے مانند، سیاہ، کالا۔ اردو لغت
شتری	(صف) اونٹ سے متعلق، مراد: اونٹ پر لادا جاناوالا۔ امث۔ نقارہ جو اونٹ پر رکھا جاتا ہے۔ اردو لغت
صحاف	اسم مذکر۔ جلد ساز، جلد گر۔ آصفیہ
صدہا	صفت۔ سیکڑوں، بہت سے۔ آصفیہ
صفاصفا ہونا	ویران ہونا، تباہ و برباد ہونا۔ آصفیہ
صفراوی مزاج	اسم مذکر۔ صفرا (ع) پت، زرد آب۔ جگر میں طبخ کے وقت خون کے اوپر جھاگ اٹھتے ہیں وہ صفرا سے متعلق ہیں۔ مزاجاً نہایت گرم و خشک مگر اس کی کئی قسمیں ہیں۔ صفراوی مزاج۔ وہ شخص جس کے مزاج میں خلط صفرا زیادہ ہو۔ آصفیہ
ضخیم	صفت حجم رکھنے والا۔ نور
طرق	جمع ہے طریق کی، رستے، راہیں۔ کشوری
عبا	اسم مذکر۔ ایک عربی پوشاک کا نام، جبہ، چغہ۔ آصفیہ
عجائب خانہ	اسم مذکر۔ عجائب گھر، میوزیم، وہ مکان جہاں عمدہ اور نادر اور انوکھی چیزیں خواہ وہ

	جدید خواہ قدیم ہوں، سیر، دیکھنے کے واسطے رکھی جائیں۔ نور
عصائے پیری	مذکر۔ بڑھاپے کا سہارا۔ نور
علم اٹھنا	فعل لازم۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو شہدائے کربلا کی یادگار میں شدوں کا نکالنا۔ آصفیہ
علو	اسم مذکر۔ بلند، برتر خاندان۔ آصفیہ
فتویٰ	اسم مذکر۔ شریعت کا موافق، قضا کا وہ شرعی حکم جو کسی بات کے جواز یا عدم جواز میں بہ ثبتِ مواہیر دیا جائے۔ آصفیہ
فرسخ	اسم مذکر۔ تین میل کی مسافت / تین میل کا فاصلہ۔ آصفیہ
فیل بان	اسم مذکر۔ ہاتھی وان، مہاوت۔ آصفیہ
قاطرچی	امذ۔ خچربان۔ اردو لغت
قافلہ باشی	امذ۔ قافلے کا سربراہ، قافلے کا سردار، میر کارواں۔ اردو لغت
قباحتیں	اسم مونث۔ رخنہ، دقت، مشکل، دشواری، مصیبت۔ آصفیہ
قبالہ	ضامنی نامہ۔ کشوری
قبان خانہ	قبان۔ بڑی ترازو۔ کشوری
قبہ	اسم مذکر۔ گنبد۔ آصفیہ
قران	ایرانی کرنسی
قشلاق	موسمِ سرما بسر کرنے کا مقام۔ فرہنگِ جامع
قصر	محل۔ فرہنگِ جامع
قعر	غار، تہہ۔ فرہنگِ جامع
قلم دان	اسم مذکر۔ قلم دوات رکھنے کا خانہ۔ آصفیہ
قیافہ	اسم مذکر۔ اندازہ، قیاس، عقل۔ ادراک۔ آصفیہ
کاردار	اسم مذکر۔ عہدہ دار، منصب دار، عامل۔ آصفیہ
کاریز	زیرِ زمین نہر۔ فرہنگِ جامع

کتبے / کتابہ	اسم مذکر۔ وہ عبارت جو بخطِ جلی اکثر مقابر، مساجد اور سرایوں وغیرہ کے دروازوں پر لکھ کر یا کھدوا کر لگاتے ہیں جس میں اکثر تاریخ بنایا بنانے والے کا نام یا کوئی مقدس کتاب کا فقرہ ہوتا ہے۔ آصفیہ
کتخدا	اسم مونث۔ شادی، بیاہ۔ نور
کتل	ٹیلہ جو جنگل میں ہو۔ کشوری
کٹہرا	اسم مذکر۔ جنگلا، لکڑ کوٹ، لکڑیوں کا احاطہ جو حفاظت کے واسطے مکان کے چاروں طرف یا چھت پر یا زمین گھیرنے اور حد باندھنے کے واسطے لگاتے ہیں۔ آصفیہ
کجاوہ	اسم مذکر۔ محمل، اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھیں۔ آصفیہ
کف	اسم مذکر۔ جھاگ، پھین جیسے کفِ دریا۔ آصفیہ
کلاہ	اسم مونث۔ لمبی ٹوپی جیسے کابلیوں کے پاس ہوتا ہے، تاج، شاہی مکٹ۔ آصفیہ
کمل	اسم مذکر۔ ایک قسم کی موٹی لوئی، بھیڑ کے بالوں کا بنا ہوا کپڑا جو بارش اور سردی سے محفوظ رہنے کے واسطے غریب غربا کام میں لاتے ہیں۔ آصفیہ
کوتاہ قد	چھوٹا، مختصر۔ فرہنگِ جامع
کوس	اسم مذکر۔ راستہ کی ایک حد معین کا نام جس کی مقدار بعض کے نزدیک ۴۰۰۰ گز اور بعض کے ۳۰۰۰ گز ہے، فرسخ کا تیسرا حصہ۔ آصفیہ
کہنہ	صفت۔ پرانا، سال خوردہ، دیرینہ۔ آصفیہ
کیسہ	جراب کی قسم کا تھیلا جس سے حمامی مالش کرتے ہیں۔ فرہنگِ جامع
گُدی	اسم مونث۔ پشت، گردن، سر کا پچھلا حصہ۔ آصفیہ
گراں بہا	صفت۔ بیش قیمتی، انمول۔ آصفیہ
گزران	فعل متعدی۔ گزارا، بسر اوقات۔ آصفیہ
لطافت	اسم مونث۔ عمدگی، خوبی، تحفگی۔ آصفیہ
مباح	صفت۔ حلال، جائز، روا۔ آصفیہ

مبادلہ	اسم مذکر۔ باہم بدل کرنا، بدلہ، معاوضہ۔ آصفیہ
مبالغہ	حد سے بڑھ کر بولنا۔ طول طویل، لمبی چوڑی بات۔ آصفیہ
مبذول	صفت۔ منعطف، مائل۔ اردو لغت جلد
متکفل	صفت۔ ضامن، کفیل، ذمہ دار۔ آصفیہ
محصول	صفت۔ خراج، ٹیکس، مال گزاری، ٹول۔ آصفیہ
مخمل	اسم مونث۔ ایک نہایت نرم اور ملائم روئیں دار ریشمی یا سوتی کپڑے کا نام۔ آصفیہ
مخمل باف	مخمل بُننے والا۔ فرہنگِ جامع
مراجعت	اسم مونث۔ واپسی، رجوع، لوٹنا۔ آصفیہ
مرجع	اسم مذکر۔ جائے رجوع، دارالامن، ملجا۔ آصفیہ
مرحمت	اسم مونث۔ مہربانی، رحم، عنایت، نوازش۔ آصفیہ
مرصع کاری	اسم مونث۔ جڑت۔ جڑنے کا کام۔ آصفیہ
مستعد	صفت۔ تیار، کمربستہ۔ آصفیہ
مسطح	صفت۔ پھیلا ہوا، کھلا، چوڑا۔ نور
مسگری	مسگر۔ تانبے کے برتن بنانے والا۔ کشوری
مسودہ	اسم مذکر۔ لغوی معنی لکھا ہوا، وہ عبارت یا تحریر جو پہلی مرتبہ سرسری طور پر لکھی گئی ہو۔ آصفیہ
مفقود الخبر	فعل لازم۔ جس کا پتہ نہ لگے، وہ شخص جس کی کچھ خبر نہ ہو، گم شدہ۔ آصفیہ
مقلب	بدلنے والا، ہٹا دینے والا، پھیرنے والا۔ آصفیہ
مکروہات	اسم مونث۔ مکروہ کی جمع۔ وہ چیزیں جن سے کراہت آئے، نفرت انگیز۔ آصفیہ
منبت	صفت۔ وہ نقش جو اپنی زمین سے ذرا اونچا ہو، ابھرا ہوا ہو۔ آصفیہ
منجھلا	اسم مذکر۔ درمیانہ۔ آصفیہ
منزل	امث۔ ایک دن کا سفر، وہ سفر جو ایک دن میں اوسطاً طے کیا جائے (تقریبا۴۸ میل کی مسافت) اردو لغت

منہدم	صفت۔ گرا ہوا مکان، مسمار، عمارت افتادہ۔ آصفیہ
مواجب	صف، اند۔ تنخواہ، مشاہرہ، طلب، وظیفہ، واجب الادا رقم۔ اردو لغت
موانع	اسم مذکر۔ مانع کی جمع۔ منع کرنے اور روکنے والی چیزیں۔ آصفیہ
ناقص	صفت۔ ادھورا، ناتمام، غیر مکمل۔ آصفیہ
نفط یا گندک	باروت / بارود۔ کشوری
نمدوں	اسم مذکر۔ وہ اونی کپڑا جو بھیڑ بکری کے بالوں سے بناتے ہیں۔ نور
نوروز	اسم مذکر۔ نوروز عامہ، فارسی فروردیں مہینے کا پہلا روز ہے کیوں کہ اس روز آفتاب برجِ حمل کے اول نقطہ میں آتا ہے اور اس کا اول نقطہ میں آنا موسم بہار کا شروع ہے۔ آصفیہ
نورہ کشیدن	بال صفا کرنا۔ فرہنگِ جامع
نہنگ دخانی	مگرمچھ، شیر دریا مجازاً مراد بحری جہاز۔ کشوری
وساطت	اسم مونث۔ وسیلہ، توسط، ذریعہ، واسطہ۔ آصفیہ
وفور	صفت۔ وافر ہونا، بہتات، فراوانی، افراط۔ آصفیہ
ہارج	صفت۔ روکنے والا، منع کرنے والا۔ جامع اللغات
ہجو	اسم مونث۔ برائی، مذمت، غیبت۔ آصفیہ
ہزار داستان	خوش گفتار۔ طرح طرح کی گفتگو اور حکایت و لطائف سے خوش کرنے والا، خوش بیان، وہ شخص جس کے منہ سے بات کرنے میں پھول جھڑیں۔ آصفیہ
ہزل	اسم مذکر۔ بیہودہ باتیں، فحش باتیں، تمسخر۔ آصفیہ
ہشتمیں	آٹھویں۔ فرہنگِ جامع
یابو	اسم مذکر۔ ٹٹو، ایک قسم کا چھوٹا گھوڑا۔ آصفیہ
یک دل	ایک جہت۔ متفق۔ آصفیہ

کتابیات

آزاد، محمد حسین۔ "لیکچر محمد حسین آزاد" مشمولہ رفیقِ ہند، ۳۱جولائی ۱۸۸۶ء۔

——۔ "پروفیسر کا لکچر سیاحت ایران پر ۱" مشمولہ اخبارِ عام لاہور۔ (۲۸جولائی ۱۸۸۶ء)۔

——۔ "پروفیسر آزاد کا لکچر سیاحت فارس پر ۲" مشمولہ اخبارِ عام لاہور۔ (۳۱جولائی ۱۸۸۶ء)۔

——۔ "پروفیسر کا لکچر سیاحت ایران پر ۳" مشمولہ اخبارِ عام لاہور۔ (۱۴اگست ۱۸۸۶ء)۔

——۔ " روزنامچہ" مشمولہ ہمایوں (مئی ۱۹۲۲ء)۔

——۔ "روزنامچہ آزاد" مشمولہ ہمایوں (جون ۱۹۲۲ء)۔

——۔ "روزنامچہ" مشمولہ ہمایوں (جولائی ۱۹۲۲ء)۔

——۔ "روزنامچہ آزاد" مشمولہ ہمایوں (اگست ۱۹۲۲ء)۔

——۔ آبِ حیات۔ لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۹۸۰ء۔

——۔ آبِ حیات۔ مرتبہ ابرار عبد السلام۔ ملتان: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، طبع اول۔ ۲۰۰۶ء۔

——۔ بیاضِ آزاد۔ مرتبہ آغا محمد طاہر۔ لاہور: کریمی پریس، س ن۔

——۔ تذکرہ علما۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۲ء۔

——۔ جانورستان ۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۲ء۔

——۔ خم کدہ آزاد ۔ مرتبہ آغا محمد باقر۔ لاہور: آزاد بک ڈپو، ۱۹۳۲ء۔

——۔ دربارِ اکبری۔ لاہور: رفاہِ عام پریس، ۱۸۹۸ء۔

——۔ ڈرامہ اکبر۔ لاہور: محبوب المطابع برقی پریس، ۱۹۲۲ء۔

——۔ سپاک ونماک۔ لاہور: گیلانی پریس، ۱۹۶۱ء۔

——۔ سخن دان فارس۔ دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۵ء۔

———۔ سیرِ ایران۔ مرتبہ آغا طاہر۔ لاہور: کریمی پریس، س ن۔

———۔ قصصِ ہند: حصہ دوم۔ لاہور: منشی گلاب سنگھ، ۱۹۴۱ء۔

———۔ مقدمہ آبِ حیات۔ لاہور: استقلال پریس، س ن۔

———۔ مکاشفات آزاد۔ لاہور: رفاہ عام پریس، ۱۹۶۱ء۔

———مکتوباتِ آزاد۔ لاہور: گیلانی پریس، ۱۹۶۱ء۔

———۔ نصیحت کا کرن پھول۔ دہلی: آزاد بک ڈپو، س ن۔

———۔ نظمِ آزاد۔ لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۳۸ء۔

———۔ نظمِ آزاد۔ لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، س ن۔

۔ ———نظمِ آزاد۔ لاہور: مفید عام پریس، ۱۸۹۹ء۔

———نظمِ آزاد۔ لاہور: نقوش پریس، س ن۔

———۔ نگارستانِ فارس۔ مرتبہ آغا محمد طاہر۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۲ء۔

———۔ نیرنگِ خیال(حصہ اول)۔ دہلی: آزاد بک ڈپو، ۱۹۴۵ء۔

———نیرنگِ خیال(حصہ دوم)۔ دہلی: خواجہ برقی پریس، ۱۹۲۳ء۔

———۔ نیرنگِ خیال(حصہ دوم)۔ لاہور: کریمی پریس، ۱۹۲۳ء۔

———۔ نیرنگِ خیال(حصہ دوم)۔ دہلی: آزاد بک ڈپو، ۱۹۴۳ء۔

———۔ مقالات محمد حسین آزاد جلد اول مرتبہ آغا محمد باقر۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔

———۔ مقالات محمد حسین آزاد جلد دوم مرتبہ آغا محمد باقر۔ لاہور: مجلس ترقی ادب۔ ۱۹۷۸ء۔

———۔ مقالات محمد حسین آزاد جلد سوم مرتبہ آغا محمد باقر۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء۔

آغا، وزیر۔ سفر نامے کی بحث مشمولہ اوراق۔ (۱۹۷۸ء)۔

احمد، نذیر۔ تصحیح وتحقیق متن۔ کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۰۰ء۔

اردو انسائیکلو پیڈیا(نیا ایڈیشن)۔ فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء۔

اردودائرہ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہِ پنجاب لاہور۔

اردو لغت تاریخی اصول پر۔ کراچی: اردو لغت بورڈ(ترقی اردو بورڈ)

اکبر آبادی، میر محمدی عترت۔ کمالِ عترت۔ مرتبہ عارف نوشاہی۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۱۹۹۹ء۔

انجم، خلیق۔ متنی تنقید۔ دہلی: کروڑی مل کالج، ۱۹۶۷ء۔

باقر، آغا محمد۔ "مولانا محمد حسین آزاد "مشمولہ نقوش شخصیات نمبر۔ لاہور(جنوری ۱۹۵۵ء)۔ ص۹۔ ۱۷۔

ـــــ۔ مقالاتِ محمد حسین آزاد: حصہ اول۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم۔ ۲۰۱۰ء۔

ـــــ۔ مکاتیبِ آزاد۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔

باقر، سلمان۔ محمد حسین آزاد: حیات شخصیت اور فن۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء۔

بانو، آصفیہ۔ انجمن پنجاب تاریخ و خدمات۔ کراچی: کفایت اکیڈمی، ۱۹۷۹ء۔

بدخشانی، مقبول بیگ۔ تاریخ ایران (جلد اول)۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۰ء۔

بیگ، مرزا حامد۔ اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء۔

جین، گیان چند۔ تحقیق کا فن۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، س ن۔

چغتائی، محمد اکرام۔ محمد حسین آزاد اور خانوادہ محمد حسین آزاد۔ پاکستان: رائٹرز سوسائٹی، ۲۰۱۰ء۔

چغتائی، محمد اکرام۔ محمد حسین آزاد، تنقیدو تحقیق کا دبستانِ لاہور۔

ـــــ۔ مطالعہ آزاد(مجموعہ مقالاتِ)۔ لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء۔

حافظ، خواجہ۔ دیوانِ حافظ۔ مترجم قاضی سجاد حسین۔ لاہور: پروگریسو بکس، س ن۔

حالی، الطاف حسین۔ حیاتِ سعدی۔ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء۔

خان صاحب، قاضی فضل حق۔ سخنورانِ ایران۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۰ء۔

خورشید، عبد السلام۔ کاروانِ صحافت۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع دوم ۱۹۸۹ء۔

دہلوی، جالب۔ مکتوباتِ آزاد۔ لاہور: مرغوب ایجنسی، طبع دوم۔ ۱۹۰۷ء۔

دہلوی، سید احمد۔ فرہنگِ آصفیہ۔ لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۹۷ء۔

ذوق، ابراہیم۔ دیوانِ ذوق مرتبہ محمد حسین آزاد۔ دہلی: علمی پرنٹنگ پریس، ۱۹۳۳ء۔

رضوی، تصدق حسین۔ لغاتِ کشوری۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔

رضوی، مسعود حسن۔ آبِ حیات کا تنقیدی مطالعہ۔ لکھنؤ: کتاب نگر، ۱۹۴۷ء۔

ریاض، محمد۔ شبلی، صدیق۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ۔ دہلی: بسمہ کتاب گھر، ۲۰۰۴ء۔

سعید، سعادت۔ نقدِ آزاد۔ لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء۔

سدید، انور۔ اردو ادب میں سفر نامہ۔ لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، س ن۔

شیرازی، سعدی۔ گلستانِ سعدی۔ مترجم مولانا قاضی سجاد حسین۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۶۰ء۔

صادق، محمد۔ آبِ حیات کی حمایت میں اور دوسرے مضامین۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء۔

———۔ محمد حسین آزاد احوال و آثار۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۶ء۔

صحیفہ مولانا محمد حسین آزاد نمبر۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، اکتوبر ۲۰۰۸ء تا جون ۲۰۰۹ء۔

طوسی، ابونصر سراج۔ اللمع فی التصوف۔ مترجم پیر محمد حسین۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، س ن۔

عبدالسلام، ابرار۔ "مومن خان مومن اور محمد حسین آزاد، آبِ حیات کے تناظر میں"۔ مشمولہ تعبیر۔ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۵ء)۔ ص ۷۔ ۲۶۔

عبدالجید، خواجہ۔ جامع اللغات۔ جلد اول۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۳ء۔

———۔ جامع اللغات۔ جلد دوم۔ لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۳ء۔

عبدالودود، قاضی۔ آزاد بحیثیت محقق۔ پٹنہ: ادارہ تحقیقاتِ اردو، ۱۹۸۴ء۔

———۔ "محمد حسین آزاد بحیثیت محقق۔ نوائے ادب، (۱۹۵۶ء)۔

علوی، تنویر احمد۔ اصول تحقیق و ترتیب متن۔ دہلی: دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء۔

فراقی، تحسین۔ نیر، ناصر عباس (مرتبین)۔ آزاد صدی مقالات۔ لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج، ۲۰۱۰ء۔

فرخی، اسلم۔ محمد حسین آزاد: حیات اور تصانیف۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۸ء۔

———۔ "محمد حسین آزاد (فرمودات چغتائی کی روشنی میں)" مشمولہ بازیافت۔ شمارہ ۳، (۲۰۰۳ء)۔

فیریر، جے پی۔ ہیڈن۔ ایران ۱۸۴۵ء۔ایران ۱۸۸۵ء، تلخیص وترجمہ۔ رشید احمد قیصرانی۔ ملتان: بیکن بکس گلگشت۔ ۲۰۰۲ء۔

فیروزالدین۔فیروز اللغات۔لاہور: فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۲۰۰۵ء۔

قریشی، محمد عبداللہ۔"محمد حسین آزاد"مشمولہ نقوش آپ بیتی نمبر۔لاہور(جون ۱۹۶۴ء)، ص ۱۸۲۰ء۔ ۱۸۳۰ء۔

قریشی، قدسیہ۔اردو سفر نامے انیسویں صدی میں ۔ لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۸۶ء۔

قریشی، عبدالرزاق۔مبادیات تحقیق۔لاہور: خان بک کمپنی، ۱۹۶۸ء۔

کانپوری، عبدالرزاق۔یادِ ایام۔لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، فروری ۱۹۹۳ء۔

کنتوری، وہاج الدین احمد۔تاریخِ ادبیاتِ ایران در عہد جدید۔ دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۳۹ء۔

محمد اشرف، آغا۔آبِ حیات کے لطیفے۔لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۴۷ء۔

——۔وسط ایشیا کی سیاحت۔ مشمولہ نقد آزاد مرتبہ سعادت سعید۔لاہور: جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۱۰ء۔

محمد طاہر، آغا۔قلزمِ ادب (آزاد کی مختصر سوانح عمری مع فہرستِ تصانیف)۔لاہور: مطبع رفاہ عام سٹیم پریس، ۱۹۲۵ء۔

مسعود، طاہر۔اردو صحافت انیسویں صدی میں۔ کراچی: فضل سنز لمیٹڈ، ۲۰۰۶ء۔

ندوی، معین الدین احمد۔تاریخِ اسلام(جلد سوم چہارم)۔لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن۔

نعمانی، شبلی۔سوانح مولانا روم۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔

——۔شعر العجم (حصہ اول تا حصہ پنجم)۔اعظم گڑھ: مطبع معارف، ۱۹۸۸ء۔

نوشاہی، عارف۔ چغتائی، محمد اکرام(مرتبین)۔فہرست مخطوطاتِ آزاد۔ شعبہ اردو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء۔

نیر، نورالحسن۔ نور اللغات۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء۔

وجہی، شعائراللہ خان۔انیسویں صدی کے اخبارات۔رام پور: رضا لائبریری، ۲۰۰۵ء۔

وکرم، نندکشور۔محمد حسین آزاد۔ نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء۔